ستمبر
۲۰۰۶ء

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

ماہنامہ ترجمان القرآن

جلد ۱۳۳، عدد ۹، شعبان ۱۴۲۷ھ، ستمبر ۲۰۰۶ء

مدیر

پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر

مسلم سجاد

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور - ۵۴۷۹۰

فون : ۰۴۲-۵۴۲۵۳۵۶

فیکس: ۰۴۲-۵۴۳۲۱۹۴

E-mail: tarjuman@wol.net.pk

انتظامی امور

۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور - ۵۴۶۰۰

فون : ۰۴۲-۷۵۸۷۹۱۶

فیکس: ۰۴۲-۷۵۸۵۵۹۰

E-mail: tarjuman@pol.com.pk

www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے

زر سالانہ: ۲۵۰ روپے

معاونِ خصوصی : ۳۰۰۰ روپے

بیرونی ایڈیشن: ۳۵ روپے

بنگلہ دیش، بھارت ۹۰۰ روپے

ایران، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، یورپ، افریقہ ۱۲۰۰ روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا ۱۵۰۰ روپے

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن

A/c No. 1957-3, UBL, Ichhra Br. LHR

زیر اہتمام: الابلاغ ٹرسٹ

مومن کی اخلاقی طاقت

یوسف نے کہا: ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجیے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔ (یوسف ۱۲:۵۵)

حقیقت یہ ہے کہ اس مقام کی تفسیر میں دورِ انحطاط کے مسلمانوں کی کچھ اُسی ذہنیت کا اظہار کیا ہے جو کبھی یہودیوں کی خصوصیت تھی۔ یہ یہودیوں کا حال تھا کہ جب وہ ذہنی و اخلاقی پستی میں مبتلا ہوئے تو پچھلی تاریخ میں جن جن بزرگوں کی سیرتیں ان کو بلندی پر چڑھنے کا سبق دیتی تھیں ان سب کو وہ نیچے گرا کر اپنے مرتبے پر اُتار لائے تاکہ اپنے لیے اور زیادہ نیچے گرنے کا بہانہ پیدا کریں۔ افسوس کہ یہی کچھ اب مسلمان بھی کر رہے ہیں۔ اِنھیں کافر حکومتوں کی چاکری کرنی ہے۔ مگر اس پستی میں گرتے ہوئے اسلام اور اس کے علَم برداروں کی بلندی دیکھ کر انھیں شرم آتی ہے، لہٰذا اس شرم کو مٹانے اور اپنے ضمیر کو راضی کرنے کے لیے یہ اپنے ساتھ اُس جلیل القدر پیغمبر کو بھی خدمتِ کفر کی گہرائی میں لے گرنا چاہتے ہیں جس کی زندگی دراصل انھیں یہ سبق دے رہی تھی کہ اگر کسی ملک میں ایک اور صرف ایک مردِ مومن بھی خالص اسلامی اخلاق اور ایمانی فراست و حکمت کا حامل ہو تو وہ تن تنہا مجرد اپنے اخلاق اور اپنی حکمت کے زور سے اسلامی انقلاب برپا کر سکتا ہے، اور یہ کہ مومن کی اخلاقی طاقت (بشرطیکہ وہ اس کا استعمال جانتا ہو اور اسے استعمال کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو) فوج اور اسلحے اور سروسامان کے بغیر بھی ملک فتح کر سکتی ہے اور سلطنتوں کو مسخر کر لیتی ہے۔ (تفہیم القرآن، سورۂ یوسف، ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، جلد ۲۹، عدد ۴، شوال ۱۳۶۵ھ، ستمبر ۱۹۴۶ء، ص ۱۹-۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

معرکۂ لبنان ___ تاریکیوں میں روشنی کی کرن

پروفیسر خورشید احمد

اسرائیل نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت' لبنان پر حملہ کر کے ۳۴ دن رات قوت کے بے محابا استعمال اور ظلم و تشدد کی ایک نئی داستان رقم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے (جسے خود مغرب کی انسانی حقوق کی تنظیمیں انسانیت کے خلاف جرائم (crimes against humanity) قرار دے رہی ہیں) انھی ۳۴ شب و روز میں جدید ترین اور انتہائی تباہ کن اسلحے اور آلاتِ جنگ سے لیس دنیا کی چوتھی بڑی فوج کی ہمہ گیر جنگ (ہوائی' بحری اور بری) کے مقابلے میں حزب اللہ کے چند ہزار مجاہدوں کی سرفروشانہ مزاحمت ایک آئینہ ہے جس میں بہت سے چہرے اپنے تمام حسن و قبح کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں۔ یوں انسان کی آنکھ دنیا ہی میں یَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ (اس روز کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا۔ اٰل عمرٰن ۳:۱۰۶) کا چشم کشا اور ایمان افروز منظر دیکھ رہی ہے۔ مسئلہ کے تجزیے اور حالات کے مقابلے پر بات کرنے سے پہلے' عبرت اور موعظت کے ان مناظر پر ایک نظر ڈالنا مسائل کی حقیقت کو سمجھنے اور رزم گاہ کے تمام کرداروں کے چہروں کے اصل خدوخال اور نقش و نگار کو پہچاننے میں مددگار ہوگا۔

معرکۂ لبنان کے کردار

اس آئینے میں ویسے تو سارے ہی چہرے موجود ہیں لیکن ہم ان میں سے آٹھ کا ذکر مسائل کی تفہیم کے لیے ضروری سمجھتے ہیں:

سب سے پہلا چہرہ اسرائیل کا ہے اور وہی اس خونی ڈرامے کا اصل کردار بھی ہے۔ اسرائیل کوئی عام ریاست نہیں' مغرب کے ملمع سازوں اور تماشاگروں نے تو اسے علاقے کی 'واحد جمہوری ریاست' کا امیج (image) دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن اسرائیل نے خود اپنے کردار اور قوت کے نشے میں مست ہو کر انسانی تباہی' وسیع پیمانے پر ہلاکت خیزی اور جنگی جرائم کی نہ ختم ہونے والی حرکات کے ذریعے دنیا کو اپنی جو تصویر دکھا دی ہے' وہ اب کسی مصنوعی لیپاپوتی یا میڈیا کی جعل سازی سے تبدیل نہیں کی جاسکتی۔ جو باتیں بالکل واضح ہو کر سامنے آ گئی ہیں وہ یہ ہیں:

۱- اسرائیل کا وجود اور اس کی بقا کا انحصار کسی اصول' حق یا عالمی ضابطے پر نہیں' قوت اور صرف قوت کے بے محابا استعمال پر ہے۔ اس کا قیام بھی تشدد اور قوت کی بنیاد پر ہوا اور علاقے میں اس کا وجود بھی صرف قوت کے سہارے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ اس کے لیے کوئی قانون ہے اور نہ کوئی ریاستی حدود۔ چنانچہ جس فلسفے پر وہ عامل ہے اور اس کے پشتی بان اسی تصور پر اپنی خارجہ پالیسی اور جنگی سیاست استوار کیے ہوئے ہیں کہ اسرائیل کی عسکری قوت کو ناقابلِ مقابلہ (unchallengable) ہونا چاہیے اور صرف ایک یا دو پڑوسی ملکوں یا عالمِ عربی نہیں' بلکہ ایران اور پاکستان سمیت تمام مسلم ممالک کے مقابلے میں اسرائیل کے پاس اتنی قوت ہونی چاہیے کہ وہ اس قوت کو جب چاہے اور جس موقع پر بھی وہ بزعمِ خود اپنے لیے کوئی خطرہ محسوس کرے تو بلا روک ٹوک اور جس طرح چاہے استعمال کرے۔ امریکا اور یورپ کے سامراجی ذہن نے اسے 'دفاعی اقدام' کا نام دیا ہے۔ جب امریکا یہ محسوس کرتا ہے کہ اسرائیل کی جارحانہ بلکہ دہشت گردانہ قوت میں کوئی کمی آرہی ہے تو آنکھیں بند کر کے اس کی قوت کو بڑھانے کے لیے جنگی ساز و سامان کی ریل پیل کر دی جاتی ہے۔ اسی بنیاد پر اسے نیوکلیر پاور بنایا گیا تھا۔ اس وجہ سے اسے ہر قسم کے تباہ کن اسلحے اور آلاتِ جنگ سے لیس کیا گیا' اسی دلیل پر ۱۹۷۳ء میں جب جنگ کا پلڑا صرف دو دن تک اس کے خلاف تھا اس کی مدد کی گئی اور اسی شرانگیز فلسفے کی وجہ سے حالیہ لبنان پر فوج کشی کے دوران امریکا نے برطانیہ کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کر کے تباہ کن بم ہی نہیں بلکہ ڈیزی کٹر اور زیرزمین مضبوط پناہ گاہیں تباہ کرنے والے بم (bunker buster) تک جہازوں میں لاد کر اسے پہنچائے۔

اسرائیل نے جو تباہی مچائی ہے اور جس پر ساری دنیا کے غیر جانب دار انسان چیخ اُٹھے ہیں۔☆ وہ بھی اسرائیل کے اس فلسفۂ جنگ اور فلسفۂ وجود پر ایک معمولی سا دھبا بھی نہیں لگا سکے اور اسرائیل اسی بنیاد پر قائم ہے۔

۲- اسرائیل بنیادی طور پر اس علاقے کی کوئی ریاست نہیں بلکہ اس کی حیثیت ایک استعماری قوت (colonial power) کی ہے جس نے فلسطین پر صرف قوت سے قبضہ ہی نہیں کیا بلکہ اسے آبادکاروں کی نوآبادی (settler colony) بھی بنا دیا، یعنی استعماری قوت کو دوام دینے کے لیے نقل آبادی اور زمینی حقائق کی تبدیلی تاکہ سرزمینِ فلسطین کے اصل باشندے یا دربدر کی ٹھوکریں کھائیں (آج ۴ ملین فلسطینی اپنے وطن سے باہر زندگی گزار رہے ہیں) یا پھر محکوم اور غلام بن کر رہیں اور یورپ اور امریکا سے کاکیشن نسل کے یہودیوں کو اس سرزمین پر آباد کر دیا جائے اور وہ بزور اس پر قابض رہیں۔ یہ دونوں پہلو یعنی اس کا نوآبادیاتی استعماری کردار اور آبادکاروں کی حیثیت اسرائیل کی اصل شناخت ہیں۔ لیکن اس میں ایک تیسرے پہلو کا اضافہ گذشتہ ۵۰ سال میں اسرائیل اور امریکا کے سیاسی گٹھ جوڑ سے نمایاں ہوگیا ہے یعنی یہ کہ اب اسرائیل ان دونوں پہلوؤں کے ساتھ عرب دنیا میں امریکا کا ایک فوجی ٹھکانا بن گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ پورے علاقے کو امریکا کے سامراجی مقاصد کی خاطر استعمال کرنے کے لیے وہ چوکیدار کا کردار ادا کرے۔ اسے ایک غیر جانب دار مبصر نے یوں بیان کیا ہے:

☆ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اسرائیل پر لبنان میں حزب اللہ کے خلاف اپنی مہم کے دوران شہری آبادی کو جان بوجھ کر نشانہ بنانے کا الزام لگایا ہے اور کہا ہے کہ یہودی ریاست جنگی جرائم کی مرتکب قرار دی جاسکتی ہے۔ نہ صرف غذائی اجناس کے مراکز ہوائی حملوں میں جان بوجھ کر تباہ کیے گئے بلکہ امدادی قافلوں کو بھی جبراً روکا گیا، اور ہسپتال اور پانی اور بجلی کے عوامی ضروریات کے مراکز کو بھی ناکارہ بنایا گیا تاکہ لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کیا جائے۔ مضبوط شہادتیں بتاتی ہیں کہ شاہراہوں، بجلی کے نظام اور گھروں اور صنعتوں کی وسیع تباہی سوچی سمجھی تھی، فوجی حکمت عملی کا حصہ تھی نہ کہ ضمنی (collateral) نقصان۔ ایمنسٹی نے مطالبہ کیا ہے کہ اقوام متحدہ فوراً اہتمام کرے کہ دونوں فریقوں کی جانب سے عالمی انسانی حقوق کی جو خلاف ورزیاں ہوئی ہیں، ان کی آزادانہ تحقیقات کی جاسکیں۔ اسرائیل نے متعدد ممنوعہ امور کا ارتکاب کیا ہے بشمول شہری اہداف پر براہِ راست حملوں کے۔ یہ خلاف ورزیاں جنگی جرائم ہیں۔ (جاری)

اسرائیل ایک ملک نہیں ہے بلکہ مغربی ممالک کا فوجی اڈہ ہے تاکہ شرقِ اوسط اور مسلم ممالک کے تیل کے ذخائر پر کنٹرول رکھا جاسکے۔

اسرائیل کے تمام مظالم اور خلافِ انسانیت ہلاکت کاریاں اپنی جگہ، اس کے اصل چہرے کا سمجھنا ازبس ضروری ہے۔

اس آئینے میں دوسرا چہرہ امریکا کا صاف دیکھا جاسکتا ہے۔ امریکا اور اسرائیل کے کردار میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے اور من تو شدم تو من شدی کا منظر صاف نظر آرہا ہے۔ اس لیے کہ اسرائیل جو کچھ کر رہا ہے وہ امریکا کی پشت پناہی میں، اس کی باقاعدہ اعانت اور شمولیت سے اور اس کے علاقائی عالمی عزائم اور اہداف کے حصول کے لیے کر رہا ہے۔ یہ باہمی تعاون ایک مدت سے واضح ہے لیکن ۳۴ دن میں تو ہر چیز بالکل برہنہ ہوگئی ہے۔ بش اور کونڈو لیزا رائس نے پہلے دن سے اسرائیل کے اقدامات کی تائید کی اور صاف کہا کہ اسے حزب اللہ کو ختم کرنے اور لبنان کو سبق سکھانے کا حق حاصل ہے۔ G-8 سے لے کر روم کانفرنس تک امریکا نے تمام دنیا کی چیخ پکار اور کوفی عنان کی آہ و بکا کے باوجود فوری جنگ بندی کی پوری ڈھٹائی اور بے شرمی سے مخالفت کی،

اپنی رپورٹ بعنوان: اسرائیل/ لبنان: سوچی سمجھی تباہی یا ضمنی نقصان میں کہا ہے کہ ۱۲ جولائی اور ۱۴ اگست کے دوران اسرائیل نے ۷ ہزار اہداف پر ۷ ہزار سے زیادہ فضائی حملے کیے اور اس کے ساتھ ہی اسرائیلی بحریہ نے ۲۵۰۰ بمباریاں اور دورمار آرٹلری فائر کیے، نیز ان گنت شیل جنوبی لبنان میں پھینکے گئے۔ ان حملوں سے ۱۱۰۰ سے زیادہ افراد جن میں ایک تہائی بچے تھے ہلاک ہوئے، ۴ ہزار سے زیادہ زخمی ہوئے اور ۹ لاکھ ۷۰ ہزار، یعنی ایک چوتھائی آبادی کو نقل مکانی کرنا پڑی۔ ایمنسٹی رپورٹ کے مطابق یہ خلاف ورزیاں جنگی جرائم ہیں جن کا کوئی نہ کوئی انفرادی طور پر مجرمانہ ذمہ دار ہے۔

رپورٹ کے مطابق حکومت لبنان کا اندازہ ہے کہ ۸۰ پُل، ۹۴ سڑکیں اور ۳۱ پانی اور سیوریج کے پلانٹ وغیرہ مکمل یا جزوی تباہ ہوگئے ہیں۔ ۲۵ سے زیادہ پٹرول پمپ اور ۹۰۰ سے زیادہ کاروباری مراکز، ۳۰ ہزار سے زیادہ دفاتر اور دکانیں ملبے کا ڈھیر بن چکی ہیں۔ اسرائیل کے حکومتی ترجمان کہتے ہیں کہ شہری نقصانات اتفاقیہ یا حزب اللہ کی جانب سے شہری آبادی کو انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ لیکن حملوں کا انداز اور وسعت اور شہری ہلاکتوں کی تعداد اور نقصانات کی نوعیت اس دعوے کو کھوکھلا ثابت کرتی ہے۔ (روزنامہ ڈان، ۲۴ اگست ۲۰۰۶ء)

یورپ تک کی کوششوں کو آگے نہ بڑھنے دیا اور صاف کہا کہ اس قصے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے اسرائیل کو تین ہفتے چاہییں اور وہ اسے ملنے چاہییں لیکن جب بازی اسرائیل کے خلاف پلٹنے لگی اور ایک ایک دن میں اسرائیل کے ۳۵ فوجی ہلاک ہونے لگے تو جنگ بند کرانے کے لیے امریکا بہادر تیار ہوگیا۔ اس زمانے میں ایران کو گالیاں دی جاتی رہیں کہ اس نے حزب اللہ کو اسلحہ دیا ہے اور خود جہاز پر جہاز اسرائیل کو روانہ کیے گئے اور اس جنگ میں ایک کھلا رفیق بن گیا جس کے نتیجے میں لبنان کے ۱۲۰۰ افراد شہید، ۵ ہزار زخمی اور ۴۰ سے ۵۰ ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔ پھر اسے زخموں پر نمک پاشی ہی کہا جاسکتا ہے کہ انسانی جانوں کی اس ہلاکت اور اس ہمہ گیر تباہی پر آنسو بہانے کے لیے امریکا نے ۵۰ بلین ڈالر کی خطیر امداد کا اعلان کیا ہے۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔ لبنان کے لیے واحد عزت کا راستہ یہی ہے کہ اس ۵۰ بلین کی بھیک کو لینے سے انکار کردے اور 'عطائے تو بہ لقائے تو' کے اصول پر امریکا ہی کے منہ پر دے مارے!

یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ امریکا لبنان کا بڑا دوست بنتا تھا۔ رفیق حریری کے قتل کے بعد جو ڈراما ہوا اس کا اصل ہدایت کار امریکا ہی تھا۔ ماشاء اللہ لبنان کے کئی وزیراعظم بھی ہمارے شوکت عزیز کی طرح امریکا کے سٹی بنک ہی کا تحفہ ہیں اور شام کو بے دخل کرنے اور حزب اللہ کو غیر مؤثر بنانے کے منصوبے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے لیکن اسرائیل کی تائید میں لبنان کی امریکا نواز حکومت کو بھی بے سہارا چھوڑ دیا گیا اور اسرائیل کی جارحیت کو لگام دینے کی کوئی ظاہری کوشش بھی نہ ہوئی۔ جس نے ایک بار پھر اس حقیقت کو لبنان ہی نہیں پوری دنیا کے سامنے واضح کر دیا کہ امریکا سے زیادہ ناقابلِ اعتماد کوئی 'دوست' نہیں ہوسکتا اور لبنان کے وہ عیسائی اور لبرل امریکا نواز بھی پکار اُٹھے کہ آزمایش کی اس گھڑی میں حزب اللہ اور حسن نصراللہ نے ہماری مدد کی اور جن کے دامن کو ہم نے تھاما تھا وہ گھر کو آگ لگانے والوں کا ساتھ دیتے رہے۔

یہ ہے امریکا کا اصل چہرہ!

ایک تیسرا چہرہ اقوام متحدہ کا بھی ہے۔ اس ادارے کا مقصد جارحیت کا شکار ہونے والوں کی مدد کو پہنچنا اور جارح کا ہاتھ پکڑنا ہے۔ لیکن افغانستان اور عراق پر امریکی حملوں کے وقت اس نے جو شرم ناک کردار ادا کیا، اس کا اظہار اس موقع پر بھی ہوا۔ ۳۴ دن تک یہ بے بسی کی تصویر بنا رہا

اور امریکا کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام نہ کرسکا۔ جب امریکا اور اسرائیل کو اپنے مقاصد میں ناکامی ہوتی نظر آئی تو جنگ بندی کی قرارداد منظور کی گئی۔

ایک چوتھا چہرہ یورپی اقوام کا بھی سامنے آتا ہے جو ایک طرف اپنے معاشی مفادات کی خاطر عرب دنیا سے قربت کا مظاہرہ کرتی ہیں اور کبھی کبھی امریکا سے کچھ اختلاف کا اظہار بھی کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود جب آزمایش کی گھڑی آتی ہے تو عملاً ان کا وزن اسرائیل اور امریکا ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امریکا کھلے بندوں دل و جان سے یہ ظلم کرتا ہے اور یورپی اقوام ذرا بے دلی اور ہمدردی کے ایک آدھ بول کے ساتھ وہی کام انجام دیتی ہیں۔ ان کی دوستی اور تعاون پر بھی اعتماد دانش مندی کا تقاضا نہیں۔

اس آئینے میں ایک پانچواں چہرہ بھارت کا بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اسرائیل کی جارحیت پر خاموشی، لبنان اور فلسطین کی مدد اور تائید کے باب میں بے التفاتی۔ جیسے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ امریکا اور اسرائیل سے نئی نئی دوستی پر فلسطین اور عربوں سے ساری ہمدردی سے دست برداری، لیکن اس سے بڑھ کر اسرائیل کو خوش کرنے اور امریکا سے دفاعی معاہدے کو مستحکم کرنے کے لیے بھارت کے تمام چینلوں اور ہوٹلوں تک پر عرب چینلوں خصوصیت سے الجزیرہ کی نمایش پر پابندی تاکہ بھارت کے عوام یا بھارت میں آنے والے عرب، اسرائیل کے مظالم کے تصویری عکس بھی نہ دیکھ سکیں۔

یہ ہے بھارت کی 'قابلِ اعتماد دوستی' اور بھارت اور پی ایل او اور یاسر عرفات کی پینگوں کا حاصل!

حزب اللہ کا عزم و ایمان

آئینے میں ایک چھٹا چہرہ ان عرب اور مسلمان حکمرانوں کا بھی نظر آتا ہے جنھوں نے اپنے مفادات کو امریکا سے وابستہ کرلیا ہے اور اس دباؤ میں اسرائیل کے ساتھ دوستی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان حکمرانوں میں سے تین نے تو کھل کر پوری دریدہ دہنی کے ساتھ حزب اللہ اور حماس کو موردِالزام ٹھیرایا اور انھیں سرزنش بھی کی۔ اس میں مصر کے صدر بہادر، اُردن کے بادشاہ سلامت اور سعودی عرب کے وزیرخارجہ سب سے پیش پیش تھے۔ لیکن بات صرف ان تین کی نہیں، عرب لیگ جنگ بندی کے ۳۴ دن تک کوئی متفقہ موقف اختیار نہ کرسکی۔ او آئی سی نے ۲۳ دن بعد

اپنے ایک ۱۱ رکنی رابطہ گروپ کا اجلاس بلایا اور پھر خالی خولی زبانی احتجاج سے آگے نہ بڑھ سکی۔ بحیثیت مجموعی تمام ہی حکمران یا خاموش رہے یا بددلی اور بزدلی کے ساتھ چند بیانات سے آگے نہ بڑھے اور اس طرح ایک بار پھر یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ یہ حکمران اُمت مسلمہ کے حقیقی ترجمان نہیں۔ یہ اپنے مفادات کے بندے ہیں یا امریکا اور مغربی سامراج کے کاسہ لیس، اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ان کے دل اُمت مسلمہ کے ساتھ نہیں دھڑکتے۔ انھیں اُمت کے مفادات کا کوئی لحاظ نہیں اور یہ عیش و عشرت کی اس زندگی کے عادی ہو چکے ہیں جسے اختیار کرنے کے بعد عزت کی زندگی کے سارے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔

ان چھے چہروں کے علاوہ بھی کچھ چہرے ہیں جو اسی آئینے میں نظر آتے ہیں اور بڑے روشن اور تابندہ نظر آتے ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں اور سب سے درخشاں چہرہ حزب اللہ اور حماس کا ہے۔ جس چڑیا کو مارنے کے لیے اسرائیل نے توپ چلائی تھی وہ اسی طرح چہچہاتی رہی اور اسرائیل اپنی توپ و تفنگ کے ساتھ، ۳۴ دن تک آگ اور خون کی بارش برسانے کے باوجود اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکا۔ چند ہزار مجاہدین نے ایک عظیم مجاہد لیڈر حسن نصراللہ کی قیادت میں اسرائیل کے دانت کھٹے کر دیے اور اس کے سارے غرور کا طلسم توڑ کر رکھ دیا۔ انھوں نے اللہ کے بھروسے پر جان کی بازی لگا دی۔ لبنان تباہ ہوگیا مگر ان کے عزم و ہمت پر آنچ بھی نہ آئی۔ اسرائیل نے لبنانی سرحد سے دو میل کے فاصلے پر بنت جبیل کے قصبے پر تین بار قبضہ کیا اور تینوں بار اسے پسپا ہونا پڑا۔ یہ صرف ایک معرکے کی داستان نہیں، یہ ۳۴ دن کے خونیں معرکے کے شب و روز کی کہانی ہے ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

اللہ کے فضل سے حزب اللہ نے اسرائیل کے ناقابلِ تسخیر (invincible) ہونے کے دعوے کی قلعی کھول دی ہے۔ بے سروسامانی اور وسائل اور تعداد کے نمایاں ترین بلکہ محیرالعقول فرق کے باوجود، اسرائیل اپنے کسی ایک ہدف میں بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ اپنے دو فوجی چھڑانے آیا تھا، مگر اس نے اپنے ۲۰۰ فوجی مروا دیے اور وہ دو فوجی بدستور حزب اللہ کی قید میں ہیں، وہ حزب اللہ کی کمر توڑنے اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے زعم کے ساتھ آیا تھا اور اس کی فوج ۳۴ دن کی گولہ

باری اور فضائی، بحری اور بری جنگ کے باوجود حزب اللہ کے مقابلے کی قوت کو کم نہ کرسکی اور آخری دن میں اس نے اسرائیل پر ۲۴۶ راکٹ داغے اور پہلی مرتبہ اسرائیل کو ایسے جنگی نقصانات برداشت کرنے پڑے جن سے پچھلے ۶۰ سال میں بھی اس کو سابقہ پیش نہ آیا تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ عرب لڑنا نہیں جانتے اور ۶ سے ۱۷ دن میں ان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اس مرتبہ اسے جنگ سے نکلنے کے لیے راستے تلاش کرنا پڑے اور پہلی مرتبہ اسرائیل کے ۲۰۰ فوجی ہلاک، ۵۰۰ زخمی، اسرائیل کے اندر ۵ ہزار راکٹوں کی بارش، ۴ لاکھ اسرائیلیوں کا حفاظتی بنکرز میں ایک مہینہ گزارنا اور ایک ملین کو نقل مکانی کرنا پڑی۔ اسرائیل پر راکٹوں کے حملے کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کا ابھی اندازہ کیا جارہا ہے لیکن ابتدائی تخمینوں کے مطابق فوجی اور سول تنصیبات کے باب میں ۱ء۵ ملین ڈالر اور معیشت کے میدان میں ۳ سے ۵ بلین ڈالر کا نقصان ہوا ہے۔ یہ مزہ اسرائیل نے پہلی بار چکھا ہے اور دنیا نے یہ منظر دیکھ لیا کہ ایمان، عزت و آبرو اور مناسب تیاری کے ذریعے کس طرح آج بھی وسائل کی کمی کے باوجود مسلمان دشمن کے دانت کھٹے کرسکتے ہیں ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حزب اللہ اور جہادی عزم و مسلک نے اگر اسرائیل کی قوت پر ضرب کاری لگا کر اس کے ناقابلِ شکست ہونے کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے تو وہیں ایک طرف اس نے اُمت مسلمہ کا سر اللہ کے سامنے شکر کے جذبات سے جھکا دیا ہے اور دوسری طرف مادی وسائل اور عسکری قوت کی پجاری دنیا کے سامنے عزت سے بلند کردیا ہے، اور وہ جنھیں کمزور سمجھ کر اہلِ قوت پامال کرنے پر تلے ہوئے تھے، ان کو ایک نیا عزم، نئی ہمت، نیا ولولہ اور مقابلے کی نئی اُمنگ دی ہے۔ کونڈ ولیزا رائس اور جارج بش دونوں نے کہا تھا کہ لبنان کو سبق سکھانے کے اس جارحانہ اقدام کے بطن سے امریکا کے حسبِ خواہش ایک نیا شرق اوسط جنم لے گا ___ لیکن ان شاء اللہ ایک نیا شرق اوسط تو ضرور جنم لے گا مگر وہ امریکا کا لے پالک نہیں ہوگا بلکہ اسلامی نشاتِ ثانیہ کا پیامبر ہوگا۔ حزب اللہ اب ایک تنظیم کا نام نہیں، ایک عالمی تحریک کا عنوان اور تبدیلی کے رخ کا مظہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردن کے وہی حکمران شاہ عبداللہ جس نے چار ہفتے قبل ان پر حرف زنی کی تھی وہ اب یہ کہنے پر مجبور ہوا ہے کہ:

عرب عوام کی نظروں میں حزب اللہ ہیرو ہیں، اس لیے کہ یہ اسرائیل کی جارحیت کا مقابلہ کر رہی ہے۔(دی نیشن '۱۲ اگست ۲۰۰۶ء)

اورحزب اللہ کا مخالف ولید جنبلات جو دروز کمیونٹی کا لیڈر ہے اور جسے اسرائیل نے ۱۹۸۰ء کی جنگ میں حلیف بنایا ہوا تھا اب کہہ رہا ہے کہ:

آج لبنان اپنی بقا کے لیے حزب اللہ اور حسن نصراللہ کا مرہونِ منت ہے جنھوں نے اسرائیل کو شکست دی ہے۔ یہ ایک یا دوسرے حصے کو حاصل کرنے یا کھونے کا مسئلہ نہیں، انھوں نے اسرائیل کو شکست دی ہے۔(دی نیشن '۲۱ اگست ۲۰۰۶ء)

یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ہر سطح پر اور ہر حلقے میں ہو رہا ہے بجز امریکی وائٹ ہاؤس کے، لیکن تاریخ اسے پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ حزب اللہ کے اس تابناک چہرے کے ساتھ ان ہزاروں مصیبت زدہ انسانوں کا چہرہ بھی اسی آئینے میں نظر آ رہا ہے جو اسرائیلی جارحیت کا نشانہ بنے ہیں، جن کے اعزہ ہمیشہ کی نیند سلا دیے گئے ہیں، جن کے گھر اور کاروبار تباہ کر دیے گئے ہیں، جن کے ملک کو کھنڈر بنا دیا گیا ہے مگر ان کا ایمان تابندہ ہے، ان کا عزم جوان ہے، جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہے ہیں کہ ہمارے گھر تباہ ہوگئے ہیں لیکن ہمارا سر بلند ہے۔ سیکڑوں انٹرویو دنیا بھر کے میڈیا میں بشمول بی بی سی اس پر گواہ ہیں کہ ایک ماں جس کے جوان بچے شہید ہوگئے ہیں لیکن وہ پورے سکون سے کہتی ہے کہ ان کا غم اپنی جگہ، لیکن مجھے اپنی قربانی پر فخر ہے۔

صرف ایک دو مثالیں:

بی بی سی کا نمایندہ ایک ملبے میں تبدیل ہوجانے والے مکان کے مالک سے پوچھتا ہے: ''آپ کو تو بڑی قیمت ادا کرنی پڑی''۔ تو اس کا جواب ہے: ''تمھیں کیا پتا نہیں، ہمارے ہاں ناک کی کیا اہمیت ہے۔ ٹھیک ہے، کچھ نہیں رہا مگر ناک تو اُونچی ہے۔ ہم سب ہیرو ہیں۔ گھر کا کیا ہے، وہ تو پھر بھی بن جائے گا۔ (بی بی سی، سیربین، ۱۵ اگست ۲۰۰۶ء)

ایک باپردہ مگر باعزم ماں جس کی اولاد شہید اور گھر تباہ ہوگیا تھا اسی ملبے پر بیٹھی ہے اور کہہ رہی ہے:

> یہاں سے اب کہیں اور جانا شکست ماننا ہے۔ اسرائیل اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتا ہے اور گھر تباہ کردے اور بچے ماردے لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔ جو زندہ ہیں وہ ایک دن بڑے تو ہوں گے اور پھر بندوق اٹھالیں گے۔ (ایضاً)

جس قوم میں یہ جذبات اور یہ عزائم ہوں انھیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ ضرورت صحیح لیڈرشپ، صحیح اہداف کے تعین اور صحیح تیاری اور نقشۂ کار کے مطابق کارکردگی کی ہے۔

جن جذبات کا اظہار لبنان کے عام مسلمان ہی نہیں، سب مذاہب، مسلکوں اور قومیتوں کے لوگ کر رہے ہیں، وہی جذبات اور احساسات پوری دنیا کے مسلمانوں اور انصاف پسند انسانوں کے ہیں۔ اس آئینے میں عوام و خواص اور اسٹریٹ و اسٹیٹ کے درمیان جو بعدِ عظیم آج پایا جاتا ہے، اس کے ہر نقش و نگار کو دیکھا جاسکتا ہے۔ استنبول کی سڑکیں ہوں یا قاہرہ کی گلیاں، لاہور کی شاہ راہ ہو یا جدہ اور مدینہ کے راہ گزار، ہر جگہ عام آدمی کے جذبات و احساسات ایک ہیں۔ اور اس فرق کو کوئی نظرانداز نہیں کرسکتا جو آج حکمرانوں اور عوام کے درمیان پایا جاتا ہے۔

یہ آٹھ چہرے اس دور کی سب سے اہم آٹھ حقیقتوں کے مظہر ہیں اور مستقبل کے نقوش کو ان کی آنکھوں کی چمک اور چہرے کے رنگ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

امریکی صہیونی عزائم

معرکۂ لبنان کے اس تناظر میں اب یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جولائی کی فوج کشی کے اصل مقاصد کیا تھے؟ ۱۴ اگست کی لرزتی کانپتی جنگ بندی کے بعد اسرائیل اور امریکا کے اہداف کیا ہیں اور معرکۂ لبنان کے نتیجے میں اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مطابق وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔ الانفال ۸:۳۰)، اُمت مسلمہ کے لیے نقشۂ راہ کیا ہے؟ ان تینوں بنیادی امور کے بارے میں ہم مختصراً اپنی معروضات پیش کرتے ہیں:

جہاں تک ۱۲ جولائی سے شروع ہونے والی چھٹی اسرائیلی جنگ کا تعلق ہے، اس کی وجہ کا رشتہ فلسطین میں ایک اور لبنان میں دو اسرائیلی قیدیوں سے جوڑنا محض دھوکا اور سیاسی شعبدہ گری کا

حربہ ہے۔ سرحدی چھیڑ چھاڑ، فائرنگ، میزائل کا استعمال، ہوائی حملے اس علاقے میں زندگی کا معمول ہیں۔ اسرائیل کے قبضے میں فی الوقت ایک ہزار فلسطینی، ایک سو سے زائد لبنانی جن میں سے ۳۰ کا تعلق حزب اللہ کے کارکنوں سے ہے اور ۳۰ اُردن کے باشندے ہیں۔ ماضی میں کئی بار قیدیوں کا تبادلہ ہوا ہے اور یہ ایک معمول کی کارروائی ہے۔ اس کا کوئی تعلق جولائی کے حملے سے نہیں۔ اس حملے کی تیاری اسرائیل دو سال سے کر رہا تھا، گذشتہ سال باقاعدہ اس کے لیے مشقوں کا اہتمام بھی کیا جاچکا تھا اور گذشتہ دو مہینے میں صرف جنگی ساز و سامان اور رسد کی ترسیل ہی نہیں، امریکا کے مکمل تعاون کے ساتھ جنگ کا پورا نقشہ تیار کرلیا گیا تھا اور پوری تیاری سے یہ حملہ فوجیوں کی گرفتاری کو بہانہ بنا کر کیا گیا۔ اس سلسلے میں سارے حقائق امریکا میں اور اسرائیل میں سامنے آچکے ہیں۔

امریکی رسالے دی نیو یارکر کے ۲۱ اگست کے شمارے میں مشہور امریکی صحافی اور مصنف سائمور ہرش (Seymour Hersh) کا مفصل مضمون شائع ہوا ہے جس میں پورے منصوبے کی اور اس میں امریکا کے کردار کی تفصیلات شائع ہوگئی ہیں۔ یہ اسرائیلی حملہ امریکا کے ایما پر اور اس کی اس خواہش کی تکمیل میں انجام دیا گیا کہ حزب اللہ پر بطور پیش بندی کارروائی کی جائے۔ ہرش کے الفاظ ہیں: a preemptive blow against Hezbollah

اس کا ایک مقصد ایک اہم امریکی شریک راز کے الفاظ میں یہ تھا: ہم چاہتے تھے کہ حزب اللہ کو ختم کریں، اب ہم دوسرے سے یہ کروا رہے ہیں، یعنی اسرائیل نے امریکا کے پروگرام کے تحت یہ حملہ کیا۔

اس سلسلے میں ایک بڑا اہم مضمون سان فرانسسکو کرانیکل میں ۲۱ جولائی کو حملے کے ۹ دن کے بعد شائع ہوا تھا جس میں اس چار نکاتی پروگرام کی پوری تفصیل دی گئی تھی جس میں اسرائیل نے امریکی قیادت کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور اس کی تائید اور تعاون حاصل کیا۔ امریکا کی بار اِلان (Bar-Ilan) یونی ورسٹی کے شعبۂ سیاسیات کے پروفیسر جیرالڈ سٹین برگ نے اس پوری تیاری اور منصوبے کو اس طرح پیش کیا ہے:

۱۹۴۸ء کے بعد اسرائیل نے جتنی بھی جنگیں لڑی ہیں، یہ ان میں سے وہ تھی جس کے لیے اس نے سب سے زیادہ تیاری کی تھی۔ ایک طرح سے ۲۰۰۰ء میں اسرائیلی فوجوں

کی واپسی کے بعد سے ہی یہ تیاری شروع ہوگئی تھی۔

اس لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ یہ طے شدہ منصوبے کے مطابق اسرائیل کی چھٹی جنگ تھی اور اس کے متعین اہداف تھے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے خاک میں مل گئے۔ مگر ان کا سمجھنا ضروری ہے، نیز یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اس ناکامی کے باوجود اہداف نہیں بدلے ہیں اور جنگ بندی صرف تیاری اور نئی جنگ کے لیے صف بندی کا ایک وقفہ ہے، چین کا سانس لینے کی مہلت نہیں۔

اس وقت اسرائیل اور امریکا کا پہلا ہدف حزب اللہ کا خاتمہ، حسن نصراللہ کی شہادت اور لبنان کو ایک ایسی ریاست میں تبدیل کرنا تھا جو اسرائیل کی معاون بنے اور وہاں اسلامی قوتوں کے لیے زمین تنگ کر دی جائے۔

حزب اللہ کے خاتمے کے ساتھ ہدف یہ بھی تھا کہ حزب اللہ کے مؤیدین کی حیثیت سے ایران اور شام پر لشکرکشی کی جائے۔ ایران پر اس کی ایٹمی صلاحیت کو تباہ کرنے کے لیے اور شام پر فلسطین کی تحریکات مزاحمت خصوصیت سے حماس اور اسلامی جہاد کی قیادت کو پناہ گاہ فراہم کرنے اور ان تحریکوں کی سیاسی مدد کرنے کے جرم میں۔ مصر اور اُردن کو قابو کرنے، عراق کو تباہ کرنے اور سول وار کی آگ میں جھونک دینے اور سعودی عرب اور خلیج کے ممالک کو عملاً ایک تابع مہمل بنا لینے کے بعد اب ایران اور شام آنکھوں میں کانٹوں کی طرح کھٹک رہے تھے اور ساتھ ہی پاکستان اس سلسلے کا آخری ہدف ہے کہ یہ افغانستان پر امریکی قبضے کے باوجود ان کے خیال میں دہشت گردوں کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے۔

ایک ترتیب سے اور شاید اسی ترتیب سے ___ یعنی لبنان، ایران، شام اور پاکستان ___ نئی جنگی حکمت کی نقشہ بندی کی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ پہلی ہی منزل پر اسرائیل کو منہ کی کھانی پڑی ہے اور امریکا کا پورا منصوبہ طشت از بام ہوگیا ہے لیکن یہ سمجھنا کہ اسے ترک کر دیا گیا ہے، ہمالہ سے بڑی غلطی ہوگی۔

جنگ بندی ایک عارضی عمل ہے اور اب بھی پوری کوشش کی جائے گی کہ حزب اللہ کو غیر مسلح کرنے اور لبنانی فوج جس کی اس وقت کیفیت یہ ہے کہ اس میں عیسائیوں اور دروزی عناصر کو

اکثریت حاصل ہے اور مثبت پہلو صرف یہ ہے کہ اپنے اسلحے اور تربیت کے اعتبار سے وہ کوئی بڑی قوت نہیں، لیکن منصوبہ یہی ہے کہ اسے اور اقوام متحدہ کی نام نہاد امن فوج کو حزب اللہ کے خلاف استعمال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فرانس، جرمنی اور اٹلی تک شاکی ہیں کہ اصل کھیل کیا ہے۔ پاکستان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اصل نقشے کو سمجھ کر اپنی پالیسی بنائے اور اس جال میں کسی قیمت پر اور کسی شکل میں نہ پھنسے۔

مستقبل کے لیے اس نقشے میں جو توسیع کی گئی ہیں ان کو دو نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ پہلے یہ خیال تھا کہ جن ممالک میں امریکی اسرائیلی منصوبے کے خلاف مزاحمت پائی جاتی ہے وہاں حکمرانوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اب اس پر اضافہ یہ ہے کہ محض حکمرانوں کی تبدیلی سے دیرپا مقاصد حاصل نہیں ہوسکتے اس لیے علاقوں کی حیثیت میں تبدیلی (change of region) کیا جائے یعنی عرب اور مسلم دنیا (بشمول پاکستان) کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کیا جائے جن کی نکیل بآسانی اپنے ہاتھ میں رکھی جائے۔ اس طرح اس حکمت عملی کا پہلا ستون حکمرانوں اور علاقوں کی تبدیلی ہے۔

اس کا دوسرا اور اہم ترین ستون اسلام کی تعمیرنو ہے جس کے نتیجے میں جہاد کے تصور کو نکال دیا جائے، اور اسلام کے سیاسی کردار کو ختم کردیا جائے۔ روشن خیال اور اعتدال پسندی کے نام پر، صوفیانہ اسلام کا ایک ایسا اڈیشن تیار کیا جائے کہ ظلم اور استبداد کی قوتوں کے خلاف مزاحمت کی جو عالمی تحریک اسلام کے زیراثر رونما ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اس کا دروازہ بند کردیا جائے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

معرکۂ لبنان کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اس نے امریکی اسرائیلی منصوبے پر اس پہلے مرحلے ہی میں بند باندھ دیا ہے۔ منصوبہ بھی کھل کر سامنے آ گیا ہے اور اس کے مقابلے کا راستہ بھی کسی ابہام کے بغیر اُمت کے سامنے ہے، اور دشمن کو بھی اس کا پورا ادراک ہے۔

مقابلے کی حکمت عملی

اگر یہ نقشۂ جنگ ہے تو پھر مقابلے کی حکمت عملی کیا ہونا چاہیے؟ جیسا کہ ہم نے عرض کیا

معرکۂ لبنان میں اس کے تمام خدوخال دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہم صرف ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

پہلی ضرورت رجوع الی اللہ کی ہے۔ مسلمان کی طاقت کا منبع اللہ کی ذات' ایمان کی قوت اور اخلاق و کردار کا ہتھیار' جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت ہے۔

دوسری بنیادی چیز اپنے اہداف اور مقاصد کا صحیح شعور اور دشمن کے اہداف اور مقاصد کا پورا ادراک ہے۔ یہ مقابلہ حقائق کے میدان میں ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ رب سے رشتہ کے ساتھ دنیاوی اعتبار سے جو نقشۂ جنگ ہے اس کا پورا شعور اور لوہے کو لوہے سے کاٹنے کی حکمت عملی پر عمل ہے۔

تیسری چیز یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کی قوت کا ایک بڑا سرچشمہ ان کا اتحاد ہے اور دشمن کی چالوں میں سب سے شاطرانہ چال اُمت کو قومیتوں' فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر کے فاسد بنیادوں پر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے۔ معرکۂ لبنان میں جس طرح شیعہ سنی مسئلے کو ہوا دینے کی کوشش کی گئی' عراق میں جس طرح یہی خونی کھیل کھیلا جارہا ہے' پاکستان اور افغانستان میں جس طرح اسی حربے کو استعمال کیا جارہا ہے' وہ ایک کھلی کتاب ہے۔ لیکن معرکۂ لبنان ہی کا یہ درس بھی ہے کہ معرکہ اُمت مسلمہ اور اسرائیل کے درمیان ہے' شیعہ سنی مسئلہ نہیں۔ یہ سارا امریکی منصوبہ ہے کہ عرب دنیا کی سنی قیادتوں کو شیعہ ہوّا دکھا کر شیعہ سنی تنازع کو ہوا دی جائے' ایک جنگی چال ہے جسے اُمت اور اس کی قیادتوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

چوتھی بنیادی چیز جذباتیت سے بالا ہو کر دشمن کے مقابلے کی مؤثر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح منصوبہ بندی اور مقابلے کی حکمت عملی کے تحت دشمن کو ناکام بنانے کی ضرورت ہے۔ حزب اللہ نے صرف اللہ ہی سے رشتہ نہیں جوڑا' اپنے عوام سے بھی قریب ترین تعلق استوار کیا' ان کے اعتماد کو حاصل کیا اور انھیں یہ یقین دلایا کہ وہ ان کے خادم اور محافظ ہیں اور صادق اور امین ہیں۔ ساتھ ہی وسائل کی کمی اور شدید ترین عدمِ مساوات کے باوجود' اپنے وسائل کے دائرے میں ایسی متبادل تیاری کی جو ایف-۱۶ اور جدید ترین ٹینکوں کے نہ ہونے کے باوجود دشمن پر کاری ضرب لگانے اور ان کی فنی ٹکنالوجی کی برتری کو غیرمؤثر کرنے کا ذریعہ بن سکی۔ حزب اللہ نے اسرائیل کے ہیلی کاپٹروں' ٹینکوں' بحری جنگی جہازوں کو ناکارہ بنا دیا' اور گوریلا جنگ کے ذریعے اسرائیل کی

اعلیٰ جنگی مشینری کو غیر مؤثر بنا دیا۔ ٹکنالوجی ہمارے لیے بھی ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ مخالف کے پاس جو کچھ ہے، وہ ہمارے پاس بھی ہو۔ ہاں ہمارے پاس اس کا توڑ ضرور ہونا چاہیے۔ بس یہی وہ نکتہ ہے جو معرکۂ لبنان میں بہت کھل کر سامنے آ گیا ہے اور قوت اور وسائل کے شدید عدمِ تفاوت کے باوجود دشمن کو زیر کرنے کا راستہ صاف نظر آ رہا ہے۔

ان نکات کی روشنی میں سب سے اہم چیز اللہ سے رجوع کے ساتھ مقابلے کی تیاری اور اس کے لیے مسلم ممالک کے اندرونی نظام کی اصلاح کو اوّلیت دینا ضروری ہے تاکہ اُمت کے وسائل اُمت کے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال ہوسکیں اور ان پر وہ قابض نہ رہیں جن کے سامنے صرف اپنی ذات کا نفع اور اپنے وسائل کو دوسروں بلکہ دشمنوں کی خدمت میں دے دینا ہو۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس وقت لبنان کی تباہی اور بارہ سو جانوں کی ہلاکت کے ساتھ، جس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی، مادی اعتبار سے ۴۰ سے ۵۰ بلین ڈالر کا اندازہ دیا جا رہا ہے سعودی عرب برطانیہ سے دسیوں ارب ڈالر کے عوض وہ جنگی جہاز (ہوائی) کا سودا کر رہا ہے جن کا کوئی تعلق عرب ملکوں یا اسلامی دنیا کے دفاع سے نہیں ہوگا جس طرح ماضی کی ایسی تمام خریداریوں کا رہا ہے۔ خود پاکستان ۵ ارب ڈالر کے عوض ایف-۱۶ حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے جن کا کنٹرول امریکا کے ہاتھوں میں ہوگا اور امریکا کی اجازت کے بغیر ان کو پاکستان کی حدود میں بھی حرکت میں نہیں لایا جا سکے گا۔ ان حالات کا ایک ہی تقاضا ہے کہ مسلم دنیا کے سیاسی نظام کو اُمت کی بالادستی میں لایا جائے۔ ان حکمرانوں سے نجات پائی جائے جو استعماری قوتوں کے آلہ کار ہیں اور اُمت کے وسائل میں خیانت ہی نہیں کر رہے، انھیں دشمن کے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اگر حزب اللہ کو لبنان کی سیاست میں وہ حیثیت حاصل نہ ہوتی جن کی بنا پر وہ اتنا کلیدی کردار ادا کر سکی ہے تو لبنان کا معرکہ بھی تباہی کی ایک اور داستان بن جاتا لیکن اللہ سے تعلق، جہاد سے وفاداری، عوام سے رشتہ، مناسب تیاری اور اس کے ساتھ مؤثر سیاسی حکمت عملی نے معرکۂ لبنان کو تاریکیوں میں روشنی کی ایک تابناک کرن بنا دیا ہے ___ اور یہی وہ روشنی ہے جو ہمارے مستقبل کو تابناک کرسکتی ہے۔

58

مسابقت کا جذبہ

مسابقت ایک فطری جذبہ ہے۔ دنیاوی فائدوں کا سوال ہو یا اخروی فلاح کے حصول کی کوشش، دونوں صورتوں میں انسان بے چینی کا شکار ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ، خوب سے خوب تر، جلد از جلد، وسیع سے وسیع تر، غرض اس تڑپ میں انسان قربانی دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

غلبہ، کمال اور عروج کا حصول بھی اسی وقت ممکن ہے جب مسابقت اور مقابلے سے سرشار ہو کر کوشش کی جائے۔ نیکی کے راستے میں، جنت کی حرص میں، کلمۃ اللہ کے غلبے کے لیے مسابقت مطلوب جذبہ ہے۔ دنیاوی اغراض، ذاتی مفادات، انا، دولت، شہرت، طاقت کے لیے مسابقت معاشرے کو تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔ مسابقت کے جذبے کو صحیح رخ پر ڈھالنے کے لیے درج ذیل نکات کے تحت جائزہ لیجیے:

۱- کیا مقصدیت غالب ہے؟

۲- کیا مقصدیت کی سمت درست ہے؟

۳- کیا مسابقت پر اخلاقیات غالب ہیں؟

۴- کیا مسابقت سے اثرات اچھے پڑ رہے ہیں؟

۵- کیا کسی دوسرے کی کمزوری سے ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھایا جا رہا ہے؟

۶- کیا مسابقت کی رفتار صحت منداور برداشت کے دائرے میں ہے؟

۷- کیا کسی ایک معاملے میں مسابقت دوسرے معاملات میں عدم توازن تو نہیں پیدا کر رہی ہے؟

۸- کیا مسابقت کے نتیجے میں اعلیٰ اقدار و روایات اور روشن مثالیں قائم ہو رہی ہیں؟

۹- کیا مسابقت کا ذاتی طور پر صلہ قربانی کے مقابلے میں بھاری ہے؟

۱۰- کیا مسابقت میں پیچھے رہ جانے کی صورت میں دوبارہ بہتر کوشش پر آمادگی ہے؟

سنابل العلم

حقیقی اور مصنوعی تقویٰ

تقویٰ ہے کیا چیز؟ تقویٰ حقیقت میں کسی وضع و ہیئت اور کسی خاص طرزِ معاشرت کا نام نہیں ہے بلکہ دراصل وہ نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساس ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں ظہور کرتی ہے۔

حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو' عبدیت کا شعور ہو' خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری و جواب دہی کا احساس ہو' اور اس بات کا زندہ ادراک موجود ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں خدا نے ایک مہلتِ عمر دے کر مجھے بھیجا ہے اور آخرت میں میرے مستقبل کا فیصلہ بالکل اس چیز پر منحصر ہے کہ میں اس دیے ہوئے وقت کے اندر اس امتحان گاہ میں اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہوں۔ اس سروسامان میں کس طرح تصرف کرتا ہوں جو مشیت الٰہی کے تحت مجھے دیا گیا ہے' اور ان انسانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں جن سے قضائے الٰہی نے مختلف حیثیتوں سے میری زندگی متعلق کر دی ہے۔

یہ احساس وشعور جس شخص کے اندر پیدا ہو جائے' اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے' اس کی دینی حس تیز ہو جاتی ہے' اس کو ہر وہ چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ اُس کے مذاق کو ہر وہ شے ناگوار ہونے لگتی ہے جو خدا کی پسند سے مختلف ہو۔ وہ اپنے نفس کا آپ جائزہ لینے لگتا ہے کہ میرے اندر کس قسم کے رجحانات ومیلانات پرورش پا رہے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا خود محاسبہ کرنے لگتا ہے کہ میں کن کاموں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کر رہا ہوں۔ وہ صریح ممنوعات کو تو درکنار' مشتبہ امور میں بھی مبتلا ہوتے ہوئے خود بخود جھجکنے لگتا ہے۔ اس کا احساسِ فرض اسے مجبور کر دیتا ہے کہ تمام اوامر کو پوری فرماں برداری کے ساتھ بجالائے۔ اس کی خدا ترسی ہر اس موقع پر اس کے قدم میں لرزش پیدا کر دیتی ہے جہاں حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو۔ حقوق اللہ اور

حقوق العباد کی نگہداشت آپ سے آپ اس کا وتیرہ بن جاتی ہے اور اس خیال سے بھی اس کا ضمیر کانپ اُٹھتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔

یہ کیفیت کسی ایک شکل یا کسی مخصوص دائرۂ عمل میں ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ آدمی کے پورے طرزِ فکر اور اس کے تمام کارنامۂ زندگی میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے اثر سے ایک ایسی ہموار و یک رنگ سیرت پیدا ہوتی ہے جس میں آپ ہر پہلو سے ایک ہی طرز کی پاکیزگی و صفائی پائیں گے۔ بخلاف اس کے جہاں تقویٰ اس چیز کا نام رکھ لیا گیا ہے کہ آدمی چند مخصوص شکلوں کی پابندی اور مخصوص طریقوں کی پیروی اختیار کرلے اور مصنوعی طور پر اپنے آپ کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال لے جس کی پیمایش کی جاسکتی ہو' وہاں آپ دیکھیں گے کہ وہ چند اشکالِ تقویٰ جو سکھا دی گئی ہیں' ان کی پابندی انتہائی اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہے مگر اس کے ساتھ زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں وہ اخلاق' وہ طرزِ فکر اور وہ طرزِ عمل بھی ظاہر ہو رہے ہیں جو مقامِ تقویٰ تو درکنار' ایمان کے ابتدائی مقتضیات سے بھی مناسبت نہیں رکھتے' یعنی حضرت مسیحؑ کی تمثیلی زبان میں مچھر چھانے جا رہے ہیں اور اُونٹ بے تکلفی کے ساتھ نگلے جا رہے ہیں......

میری ان باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وضع قطع' لباس اور معاشرت کے ظاہری پہلوؤں کے متعلق جو آداب واحکام حدیث سے ثابت ہیں' میں ان کا استخفاف کرنا چاہتا ہوں' یا انھیں غیر ضروری قرار دیتا ہوں۔ خدا کی پناہ اس سے کہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال ہو۔ دراصل جو کچھ میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اصل شے حقیقتِ تقویٰ ہے نہ کہ یہ مظاہر......

پہلی چیز دیر طلب اور صبر آزما ہے' بتدریج نشوونما پاتی اور ایک مدّت کے بعد برگ و بار لاتی ہے' جس طرح بیج سے درخت کے پیدا ہونے اور پھل پھول لانے میں کافی دیر لگا کرتی ہے۔ اسی لیے سطحی مزاج کے لوگ اس سے اُپراتے ہیں۔ بخلاف اس کے دوسری چیز جلدی اور آسانی سے پیدا کرلی جاتی ہے' جیسے ایک لکڑی میں پتے اور پھل اور پھول باندھ کر درخت کی سی شکل بنا دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقویٰ کی پیداوار کا یہی ڈھنگ آج مقبول ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو توقعات ایک فطری درخت سے پوری ہوتی ہیں' وہ اس قسم کے مصنوعی درختوں سے کبھی پوری نہیں ہوسکتیں۔

(روداد جماعت اسلامی' سوم' ص ۲۴۳-۲۴۸)

تیسیر القرآن کے کچھ قابل ذکر پہلو

مولانا جلال الدین عمری ○

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کا نام تحریک اقامت دین سے وابستہ افراد اور قرآن کے طالب علموں کے لیے جانا پہچانا نام ہے۔ آپ کی سورۃ الفاتحہ اور البقرہ کی تفسیر تیسیر القرآن کے نام سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی نے شائع کی ہے۔ اس کی پہلی قسط ستمبر ۱۹۵۰ء کے ماہنامہ زندگی رام پور میں اور آخری قسط ستمبر ۱۹۵۳ء کے شمارے میں شائع ہوئی، اور اب ۵۳ برس بعد ان کے صاحبزادے رضوان احمد فلاحی نے نہایت محنت سے آیات و احادیث کے حوالے فراہم کیے ہیں اور مصنف کی دیگر کتب سے بھی وضاحتیں ضمیموں کی شکل میں جمع کر دی ہیں۔ اب یہ کتاب ایک جدید طرز کی کتاب ہوگئی ہے۔ مولانا جلال الدین عمری نے اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا ہے۔ ہم اس کا ایک حصہ شائع کر رہے ہیں جس سے اس تفسیر کے نمایاں پہلو سامنے آتے ہیں۔ (ادارہ)

مولانا فراہیؒ کا طریقِ تفسیر

دورِ حاضر میں علامہ حمید الدین فراہیؒ کو علوم قرآن میں امامت کا مقام حاصل تھا۔ انھوں نے تفسیر قرآن کی نئی راہیں نکالیں اور قرآن مجید کو اصلاً قرآن ہی سے سمجھنے کی غیر معمولی کوشش کی۔ دیگر ذرائعِ تفسیر کو معاون ذرائع کی حیثیت دی اور اسی حیثیت سے ان سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے قرآن مجید کے نظم کو صرف ایک اصول کے طور پر ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ اسے بہت ہی قوی دلائل سے ثابت کیا۔ ان کے نزدیک قرآن مجید کی ہر سورت کا ایک مرکزی موضوع ہے جس سے پوری سورت کے مضامین مربوط ہیں۔ پھر ان سورتوں کے درمیان بھی ربط ہے۔ اس ربط نے

○ مدیر، سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ

پورے قرآن کو از اول تا آخر ایک مسلسل کلام کی حیثیت دے دی ہے۔

فکر فراہی کی ترجمانی

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ، فراہی اسکول کے ایک نمایاں فرد ہیں۔ انھوں نے تیسیر القرآن میں مولانا فراہیؒ کے طریقۂ تفسیر کی پابندی کی ہے اور انھی کے وضع کردہ خطوط پر اسے مرتب کیا ہے۔ مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کی تصنیفات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے مولانا فراہیؒ کی اس وقت تک کی تمام مطبوعہ تحریریں رہی ہیں اور غیر مطبوعہ مواد سے واقفیت کے بھی انھیں مواقع ملتے رہے ہیں اور انھوں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ مولانا نے اپنے مقدمے میں استاذ الاساتذہ علامہ حمید الدین فراہیؒ کا بڑے ہی احترام سے ذکر کیا ہے اور ترجمہ و تفسیر میں جو نئے نکات بیان ہوئے ہیں انھیں ان کا بالواسطہ فیض قرار دیا ہے۔

فراہی اسکول کی پہلی تفسیر

علامہ حمید الدین فراہیؒ کی دو ایک تحریروں کے علاوہ تمام تصنیفات عربی زبان میں ہیں۔ ان میں سے بعض رسائل کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے قلم سے بہت پہلے شائع ہو چکا تھا۔ ان میں آخری پاروں کی بعض چھوٹی سورتوں کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ مولانا فراہیؒ کے تلامذہ بھی اپنے مقالات اور مضامین میں ان کے خیالات کی ترجمانی کرتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود اردوداں طبقے میں مولانا فراہی کے خیالات عام نہیں ہو سکے تھے۔ تیسیر القرآن مولانا فراہی کے نہج پر لکھی گئی پہلی اردو تفسیر ہے۔ اس کے ذریعے کم از کم سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی حد تک مولانا فراہیؒ کے خیالات کا باقاعدہ تعارف ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا امین احسن کی تفسیر تدبر قرآن میں مولانا فراہیؒ کے خیالات زیادہ تفصیل سے پیش ہوئے ہیں اور وہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تدبر قرآن کے ذریعے ایک بڑے حلقے میں اس نہج پر باقاعدہ غور وفکر کا آغاز ہوا، مولانا فراہی کی غیر مطبوعہ تحریریں سامنے آئیں اور ان کے تراجم اور خلاصے شائع ہوئے، لیکن مولانا صدر الدین اس سے بہت پہلے باقاعدہ تفسیر کا آغاز کر چکے تھے۔ اس لحاظ سے اسے شرف تقدم حاصل ہے۔ تدبر قرآن اور تیسیر القرآن میں بعض نکات مشترک بھی ملیں

گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مولانا فراہی کی تحقیقات پر مبنی ہیں اور دونوں ہی بزرگوں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

مولانا مودودیؒ سے استفادہ

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اسلام کا وسیع اور جامع تصور پیش کیا۔ غیر اسلامی افکار و نظریات کی کم زوری واضح کی اور اسلام کو دین حق ثابت کرنے کی بڑی مؤثر کوشش کی۔ مولانا مودودیؒ کو اللہ تعالیٰ نے منطقی ذہن، استدلالی قوت اور جان دار قلم عطا کیا تھا۔ انھوں نے وقت کے نمایاں مسائل سے تعرض کیا اور اسلامی فکر کو دلائل کے ساتھ پیش کیا۔ مولانا مودودیؒ کا فکر ان کی تفسیر تفہیم القرآن میں سمٹ آیا ہے۔ وہ اپنی بعض ممتاز خصوصیات کی وجہ سے اس دور کی اُردو زبان میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی تفسیر ہے۔ اس کا ترجمہ بھی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔

مولانا صدرالدین اصلاحی کو مولانا مودودیؒ کی رفاقت حاصل رہی، انھوں نے مولانا کی وسیع فکر ہی کو نہیں اپنایا بلکہ ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو مولانا مودودیؒ کی قیادت میں جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی تو انھوں نے آگے بڑھ کر اس کا ساتھ دیا۔ ان کا شمار جماعت کے بالکل ابتدائی ارکان میں ہوتا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد وہ جماعت اسلامی ہند کے ایک ممتاز فکری رہنما کی حیثیت سے متعارف تھے۔ انھوں نے تفہیم القرآن سے اپنی تفسیر تیسیر القرآن میں بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس طرح تیسیر القرآن میں فکرِ فراہی اور فکر مودودیؒ کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ مولانا صدرالدین نے بعض مسائل کی وضاحت کے لیے تفہیم القرآن کے الفاظ مستعار لیے ہیں۔

مولانا صدرالدین مرحوم نے تفہیم القرآن کے طویل اقتباسات بھی اپنی تفسیر میں لیے ہیں، ان میں تھوڑی بہت ترمیم بھی کی ہے اور کہیں صرف چند جملے اخذ کیے ہیں۔ ان کی کل تعداد ۳۲ ہے اور یہ تیسیر القرآن کے زیادہ سے زیادہ ۱۰، ۱۲ صفحات پر مشتمل ہوں گے، لیکن مولانا نے جس فراخ دلی سے اپنے مقدمے میں اس کا اعتراف کیا ہے وہ ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

تیسیر القرآن کا اسلوب

۱- مولانا صدرالدین اصلاحیؒ جب تفسیر لکھ رہے تھے تو ان کے پیشِ نظر غیر مسلموں کی

اکثریت بھی تھی۔ اس لیے انھوں نے، جیسا کہ خود صراحت کی ہے، بہت سے ان مباحث سے گریز کیا ہے، جو عام طور پر تفسیر کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان مباحث سے کسی ایسے شخص کو تو دل چسپی ہوسکتی ہے جو قرآن پر ایمان رکھتا ہو، لیکن ایک غیر مسلم کے لیے ان کی کوئی خاص اہمیت نہ ہوگی اور وہ اس کے لیے دل چسپی کا باعث نہ ہوں گے۔

۲- مولانا کا قلم بڑا ہی شائستہ اور مہذب ہے۔ کہیں بھی ثقاہت اور سنجیدگی کے منافی کوئی تعبیر بلکہ کوئی لفظ نہیں ملتا۔ ساتھ ہی ان کے ہاں زبان و بیان کا حسن اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے قرآن کے منشا اور مقصد کو صاف ستھرے اور واضح الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں وہ کامیاب ہیں۔ مولانا صدرالدین کے سامنے قرآن مجید کے تراجم رہے ہوں گے، ان سے فائدہ بھی اٹھایا ہوگا، لیکن انھوں نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں قرآن کے الفاظ کی پوری پوری رعایت بھی ہے اور مفہوم کی وضاحت بھی بخوبی ہو رہی ہے۔ اس طرح اس میں ایک انفرادیت پائی جاتی ہے۔ اس مضمون میں آیات کے ترجمے تیسیر القرآن ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس سے ترجمے کے حسن و خوبی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۳- مولانا کے نزدیک نظم قرآن کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے آیات کے ترجمے میں اس کی پوری رعایت کی ہے۔ ترجمے کا مطالعہ کرتے وقت یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم ایک مربوط اور مسلسل مضمون کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ کہیں کوئی نیا مضمون شروع ہوتا ہے یا سابقہ مضمون اور بعد کے مضمون میں بہ ظاہر خلا نظر آتا ہے تو توضیحی کلمات اور حواشی کے ذریعے ربط کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کی ایک عمدہ مثال سورۂ بقرہ کی آیت (۱۷۸) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ کا حاشیہ ہے۔

اس آیت کے مطالعے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اچانک قصاص کے احکام بیان ہونے لگے ہیں۔ سابقہ مباحث سے ان کا کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ مولانا نے تفصیل سے بتایا ہے کہ اس کا تعلق پوری سورت کے مضمون سے ہے اور اس میں ایک معنوی ترتیب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت اپنی ذریت میں ایک ایسے پیغمبر کی بعثت کی دعا کی تھی، جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سنائے، اس کے احکام کی تعلیم دے، حکمتِ دین سمجھائے اور ان کا تزکیہ کرے۔ اس

دعا کے عین مطابق رسولؐ اللہ کی بعثت ہوئی۔ اس سورت کے مضامین کی ترتیب بھی وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں ہے۔" اس آیت سے پہلے جو کچھ گزر چکا ہے وہ آیات کی تلاوت کا باب تھا، یعنی اس میں توحید اور قیامت اور رسالت کے بنیادی مسائلِ دینی پر دلیلیں دی گئی ہیں اور اب تعلیمِ احکام کا باب شروع ہو رہا ہے۔ حاشیہ (۱۴۳)

۴- مولانا نے سورۂ بقرہ کا مرکزی موضوع اثبات رسالت محمدی قرار دیا ہے اور سورہ کے تمام مضامین کو اس سے مربوط دکھایا ہے۔

۵- مولانا نے اپنے مدعا کی وضاحت کے لیے حسبِ ضرورت قرآن کی آیات اور احادیث سے استشہاد کیا ہے، لیکن بالعموم وہ ان کے اصل الفاظ نقل نہیں کرتے، صرف ترجمہ یا ان کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔

۶- مولانا نے کتبِ تفسیر میں سے کسی مفسر اور محقق کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اسی طرح قرآن کے الفاظ و اصطلاحات کی تحقیق بھی کتب لغت کے حوالے سے پیش نہیں کی ہے۔ اس لیے کہ پیش نظر مقصد کے لیے یہ کچھ زیادہ سودمند نہ تھی، البتہ کہیں کہیں مفسرین کی مختلف آرا کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں اس کی مثالیں دی جا رہی ہیں:

۱- سورۂ بقرہ کی آیت (۷۳) میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کا قتل ہوا۔ قاتل کا پتا نہیں چل رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ ۲:۷۳) ہم نے حکم دیا کہ اس کو اس کے ایک حصّہ سے ضرب لگاؤ۔ (دیکھو) یوں اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

مولانا فرماتے ہیں: اس مجمل جملے کی تفصیل کافی دشوار ہے، البتہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ جس گائے کے ذبح کرنے کا اوپر ذکر آیا ہے یہاں اسی کا ذکر ہے۔ وہ اسی حادثے کے سلسلے میں ذبح کرائی گئی تھی۔ اس کے ایک ٹکڑے سے مقتول کو ضرب لگانے کا حکم تھا۔ اس سے تھوڑی دیر کے لیے مردہ میں جان آ گئی اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا۔ حاشیہ (۱۳۴)

۲- ہاروت و ماروت کے ذیل میں ارشاد ہے:

وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَ مَارُوۡتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوۡلَاۤ اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ فَلَا تَكۡفُرۡ ؕ فَيَتَعَلَّمُوۡنَ مِنۡهُمَا مَا يُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَ زَوۡجِهٖ ؕ (البقرہ ۲:۱۰۲) نیز اس چیز کی پیروی میں (منہمک ہوگئے) جو بابل میں ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی۔ (ان فرشتوں کا حال یہ تھا کہ) جب بھی کسی کو اپنا یہ فن سکھلاتے تو پہلے سے اس کو متنبہ کر دیتے کہ "دیکھو! ہم تو آزمایش ہیں سو تم ہمارا (یہ آزمایشی فن سیکھ کر ہرگز) کفر کی راہ نہ اختیار کرنا" (مگر اس تنبیہہ کے باوجود یہ کج فطرت لوگ) ان سے وہ چیز سیکھتے رہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈالنے لگے۔

ہاروت و ماروت کو جو علم دیا گیا تھا مولانا نے ترجمہ و تشریح کے ذریعے اس کو تفصیل سے واضح کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: ہمارے اکثر مفسرینِ قرآن نے اس علم کو بھی جو ان دونوں فرشتوں کے ذریعے بنی اسرائیل کو سکھایا گیا تھا، جادو ہی کا علم قرار دیا ہے۔ مگر یہ بات متعدد وجوہ سے صحیح نہیں۔ ایک تو یہ کہ واو عطف کے ذریعے دو الگ الگ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے یہ کہ جادوگری کی وبا تو یوں ہی ان میں پھیلی ہوئی تھی، پھر اس جدید اہتمام کی کیا حاجت تھی؟ تیسرے فرشتوں کو ایک کارِ حرام کے لیے بھیجا جانا کچھ غیر مناسب سی بات ہے۔ چوتھے فتنے کا اصل مفہوم جس کی توضیح ہم اوپر کر چکے ہیں، کسی طرح جادو اور شعبدے کی تاویل کو قبول نہیں کرتا۔ حاشیہ (۱۷۸)

۳- حج کے سلسلے میں ایک ہدایت یہ کی گئی ہے:

فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ (البقرہ ۲:۱۹۶) لیکن اگر (کہیں راستے ہی میں) گھر جاؤ تو جو قربانی کا جانور میسر آئے (اللہ کی جناب میں پیش کرو) اور (اس وقت تک) اپنے سروں کو نہ منڈواؤ جب تک کہ وہ جانور اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔

اس کے ذیل میں مولانا فرماتے ہیں: جگہ سے مراد بعض علما کے نزدیک کعبہ کے اردگرد کی وہ زمین ہے جہاں حج میں قربانیاں کی جاتی ہیں، اور بعض کے خیال میں یہ وہی جگہ ہے جہاں آدمی

گھر گیا ہو۔ پہلا خیال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ورنہ ''پہنچنے'' کا لفظ کیوں استعمال کیا جاتا۔ اب جو جانور اسے میسر آیا ہو خواہ اونٹ یا گائے یا بھیڑ یا بکری، اس کو کعبہ تک بھیجنے کی شکل یہ ہوگی کہ کسی جانے والے کے ہم راہ کر دے یا اس کو قیمت دے کر کہہ دے کہ وہاں پہنچ کر جانور خرید لینا اور میری طرف سے ذبح کر دینا۔ ذبح کرنے کا وقت بھی بتا دے اور جب یہ وقت آ جائے تو سر منڈا کر احرام کھول لے۔ اب آیندہ سال اس حج کو، جس کی نیت کی تھی مگر موانع کی وجہ سے ادا نہ کر سکا، از سرِنو ادا کرے۔ حاشیہ (۲۷۰)

علمی مباحث

تیسیر القرآن میں جگہ جگہ بڑے قیمتی مباحث اور خوب صورت تشریحات ملتی ہیں:

۱- تفسیر کے شروع ہی میں 'اللہ' کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: 'اللہ' اسم ذات ہے اس ہستی کا جو تمام کائنات کی پیدا کرنے والی' دیکھ بھال کرنے والی اور براہ راست سب پر فرماں روائی کرنے والی ہے۔ وہ ہر کمال سے متصف اور ہر جمال کا سرچشمہ ہے۔ وہ اپنی صفات میں یکتا اور بے مثل ہے۔ اس کو کسی چیز سے، کسی حیثیت سے بھی تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ وہ نہ تو جسم رکھتا ہے، نہ کوئی جسمانی قالب اختیار کرتا ہے، نہ کوئی چیز اس سے، یا وہ کسی چیز سے متحد ہوتا ہے۔ وہ ہر جگہ موجود، ہر شے سے واقف، ہر امر پر قادر ہے۔ ذرے سے لے کر آفتاب تک، ہر چھوٹی بڑی چیز اسی کی، اور صرف اسی کی محکوم ہے اور سب اس کے سامنے یکساں طور پر عاجز اور بے بس ہیں۔ حاشیہ (۱)

اس کی مزید وضاحت ایک اور جگہ ہمیں ملتی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت (۱۳۳) میں کہا گیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے انتقال کے وقت اپنی اولاد سے سوال کیا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ ۢ بَعْدِیْ؟ اس کے جواب میں ان کی اولاد نے کہا: نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰـهَ آبَآئِكَ ''ہم آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے معبود کی بندگی کریں گے''۔

مولانا نے 'الٰہ' کا پورا مفہوم، ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وہ جس کے آگے جھکا جائے، جس کی پرستش کی جائے، جس سے دعائیں مانگی جائیں، جس سے حاجتیں طلب کی جائیں، جس کی پناہ ڈھونڈی جائے، جسے نفع اور نقصان کا مالک سمجھا جائے اور جو اپنے بالاتر اقتدار کی بنا پر اس کا

مستحق ہو کہ انسان اس کی بندگی و اطاعت کرے اور اس کے آگے اپنا عجز و نیاز پیش کرے۔ حاشیہ (۲۳۱)

۲- ابلیس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔(البقرہ ۲:۳۴)

مولانا فرماتے ہیں: ابلیس کے معنی ہیں انتہائی مایوس۔ آگے چل کر فرماتے ہیں: اس کا دوسرا نام شیطان بھی ہے، جس کے لفظی معنی ہیں 'ہلاک و نابود ہونے والا' یا 'دور ہونے والا'۔

شیطان کے بارے میں ایک غلط خیال یہ ہے کہ اس کا کوئی متعین وجود یا شخصیت نہیں ہے بلکہ وہ انسان کے اندر پائی جانے والی سرکش قوتوں کا نام ہے۔ مولانا کے نزدیک شیطان اور ابلیس کے الفاظ ہی اس غلط خیال کی تردید کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ان الفاظ کے بعد غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ابلیس یا شیطان محض کسی مجرد قوت کا نام ہے بلکہ ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی مستقل شخصیت رکھتی ہے۔ حاشیہ (۵۳)

ابلیس کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار واضح ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: ابلیس کے اس واقعے سے اسلام کے تصورِ توحید کے متعلق ایک بڑی اہم حقیقت روشنی میں آتی ہے۔ عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور اس کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرنا ہی توحید کا کل مفہوم ہے۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو ابلیس سے بڑا موحد کون ہوسکتا تھا کہ فرمانِ خداوندی کے بعد بھی اس نے غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا۔ مگر ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی 'موحدانہ' کارنامے پر فاسق اور کافر قرار دے دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے تشریعی احکام کی اطاعت بھی جزوِ توحید ہے۔ اگر عقل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کا بدیہی فیصلہ بھی یہی ہوگا۔ حاشیہ (۵۳)

۳- اللہ تعالیٰ نے سینا کے چٹیل میدان میں بنی اسرائیل پر بدلیوں کا سایہ کیا اور من وسلویٰ اتارا۔(البقرہ ۲:۵۷)

اس پر بحث کے ذیل میں مولانا نے اللہ کی رحمت کے ایک خاص پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے جو بالعموم نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سورۂ ذاریات میں فرمایا ہے کہ انسان کا کام میری بندگی کرنا ہے اور اس کی روزی فراہم کرنے کا بار مجھ پر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی افکار کا مرکز اللہ کی بندگی اور رضا جوئی ہونی چاہیے نہ کہ معاشی ضروریات و مادی ذرائع

کی فراہمی۔ یہ کام دراصل دنیا کے پالنہار کا ہے کہ اپنی چاکری کے کاموں میں مشغول بندوں کو روزی مہیا کرے۔ پس جو شخص یا گروہ خدا کی رضا جوئی میں جس حد تک منہمک ہوگا مخلوق کا پالنے والا روزی کمانے کی ذمہ داریاں اسی حد تک اس پر سے ساقط کردے گا، یہاں تک کہ اس سلسلے میں روزی حاصل ہونے کے عام اسباب کا پردہ بھی بیچ سے اٹھایا جاسکتا ہے جس کی واضح مثال یہ من و سلویٰ کا نزول ہے۔ حاشیہ (۱۰۵)

۴- آگے اسی حقیقت پر آیت (۶۱) کے ذیل میں مزید روشنی ڈالی ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں عطا کرے۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ کیا تم ایک بہتر چیز کو ادنیٰ شے سے بدلنا چاہتے ہو؟

اس کا مطلب بالعموم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جن چیزوں کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ من وسلویٰ کے مقابلے میں کم تر درجہ کی یا بے حیثیت چیزیں ہیں۔ تم ایک بہتر چیز کے مقابلے میں کم تر چیز کی مانگ کر رہے ہو لیکن مولانا نے اس کا ایک دوسرا مفہوم بیان کیا ہے جو زیادہ بامعنیٰ ہے:

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ من وسلویٰ جیسی مزے دار اور بلا مشقت حاصل ہونے والی چیزوں کو چھوڑ کر ایسی چیزیں مانگ رہے ہو جو کم لذیذ ہیں یا پسینہ بہانے کے بعد ہی مل سکتی ہیں' بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انتظام تمھیں فکرِ معاش سے آزاد کیے ہوئے ہے۔ ان حالات میں تمھیں اس کا ممنون کرم ہوتے ہوئے دعا کرتے رہنا چاہیے تھا کہ پروردگار! کرم کی یہ نگاہ یوں ہی باقی رہے تاکہ ہم ان مادی ضروریات کی فکر سے آزاد ہوکر اپنے زندگی کے اصل مقصد کے حصول میں پوری طرح مشغول رہیں اور ہمارا کام اس کے سوا اور کچھ نہ رہ جائے کہ ایک طرف تو تیرے پیغمبر کے فیضِ تربیت سے فائدہ اٹھا کر اپنا دل پاک کریں، اپنے اخلاق سدھاریں، دین اللہ کی معرفت بڑھائیں اور اچھے اعمال کا نمونہ بن جائیں، دوسری طرف تیرے نورِ ہدایت کو لے کر آگے بڑھیں اور کفر وشرک سے تاریک فضاؤں میں اسے پھیلا دیں۔ پر افسوس ہے تمھاری پست نگاہی پر کہ بچوں کی طرح زبان کے چٹخاروں پر ریجھے جارہے ہو۔ لذت پرستی کی ذلیل ذہنیت نے تمھیں

زندگی کے پاک اور اصل مقصد سے اس درجہ بے گانہ کر رکھا ہے۔ حاشیہ (۱۱۴)

۵- سورۂ بقرہ آیت (۹۹) کے الفاظ ہیں:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ج وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ط (البقرہ ۹۹:۲) ہم نے تمھاری طرف ایسی آیتیں نازل کی ہیں جن کا آیات الٰہی ہونا بالکل روشن ہے۔ ان کا انکار صرف فاسق ہی کر سکتے ہیں۔

اس کی تشریح میں مولانا نے اس غلط فہمی کا ازالہ فرمایا ہے کہ: قرآن دنیا کے ان تمام لوگوں کو یکساں طور پر فاسق قرار دیتا ہے جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پر ایمان لانے کی ذمے داری دنیا کے کسی شخص پر اس وقت عائد ہوتی ہے جب وہ اس سے واقف ہو جائے اور اس کی دعوت اس تک پہنچ جائے۔ اس سے قبل وہ اس امر خاص میں خدا کے حضور جواب دہ نہیں ہوسکتا کہ وہ قرآن پر ایمان کیوں نہیں لایا... قرآن سے ناواقف فاسق نہیں بلکہ دراصل قرآن کا منکر فاسق ہے۔ یعنی وہ دشمن حق جس کو قرآن کی دعوت پہنچ چکی لیکن وہ ایمان نہیں لایا بلکہ وہ بدستور نفس پرستی، آبائی تقلید یا نسلی یا قومی عصبیت کا شکار بنا رہا۔ حاشیہ (۱۷۰)

۶- سورۂ بقرہ کی آیت (۱۰۶) میں نسخ کا ذکر ہے۔ آیت کے الفاظ ہیں:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا ط اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ o (البقرہ ۱۰۶:۲) ہم (اپنی نازل کردہ) جس آیت کو بھی منسوخ کر دیتے ہیں تو اس کے بجائے اس سے بہتر آیت، اور جس آیت کو بھلوا چکے ہوتے ہیں (اور اب اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے) تو اس کی جگہ ویسی ہی آیت نازل کر دیتے ہیں۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ اللہ ہر بات کی قدرت رکھتا ہے۔

اس آیت کے ذیل میں مفسرین نے دو باتیں کہی ہیں۔ ایک یہ کہ شریعت کے بعض احکام پہلے دیے گئے تھے وہ بعد میں منسوخ کر دیے گئے تو فتنہ پرداز اعتراض کرنے لگے کہ کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوگئی تھی جس کی بعد میں اصلاح کی گئی۔ آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے بعض حضرات نے شریعت کے قانون نسخ کی تفصیل پیش کی ہے۔ آیت کے ذیل میں دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس میں یہود کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ اعتراض یہ تھا

کہ توریت اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ پھر قرآن اس کے بعض احکام کو کیوں منسوخ قرار دیتا اور اس کی جگہ دوسرے احکام پیش کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن من جانب اللہ نہیں ہے، ورنہ اللہ کی ایک کتاب دوسری کتاب کے قوانین پر اس طرح خطِ تنسیخ نہ پھیرتی۔ آیت میں اسی کا جواب دیا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۵۰-۱۵۱)

دوسری بات آیت کے سیاق وسباق سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ مولانا صدرالدین مرحوم نے یہی رائے اختیار کی ہے اور اتنی تفصیل سے اس پر گفتگو کی ہے کہ اس سے پہلے شاید کسی اور نے اس تفصیل سے بحث نہیں کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ حاشیہ (۱۸۶)

۷- حج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰیز وَ اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ (البقرہ ۲:۱۹۸) (تقویٰ کا) زادِ راہ جمع کرو کہ بہترین زادِ راہ یہی تقویٰ ہے۔ لہٰذا اے عقل والو! میرا تقویٰ اختیار کرو۔

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حج کے سلسلے میں سفر کی ضروریات کا اہتمام کیا جائے، بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، یعنی یہ کہ آدمی دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے اور ان پر بوجھ نہ بنے۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہونے کے باوجود حج کے سیاق سے بہت زیادہ مناسبت نہیں رکھتی۔

مولانا نے اس کی تشریح ایک نئے ڈھنگ سے کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ: اہل عرب 'حج' کرنے کثرت سے آتے مگر حج کا مقصود کب کا بھلا چکے تھے، سچی خدا پرستی کی روح سے ان کا حج بالکل خالی ہو چکا تھا۔ 'حج' کرنے آتے مگر دنیا کمانے کی غرض سے، تجارتی منافع بٹورنے کے لیے اور سیر و تفریح کی خاطر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عبادتیں آخرت کی پونجی جمع کرنے کے لیے ہیں، نہ کہ دنیا کمانے کا آلہ۔ اس لیے حج کرنے آؤ تو پیش نظر خدا پرستی کی روح پیدا کرنا ہو، تقویٰ کی روشنی سے دل کو منور کرنا ہو، آخرت کی سعادت اور فیروز مندی کے لیے خوش نودیِ رب کا ذخیرہ جمع کرنا ہو۔ معلوم ہوا کہ دوسرے احکام شرع کی طرح حج کا مقصد بھی اللہ کا تقویٰ پیدا کرنا ہے، وہ تقویٰ جو قرآن سے ہدایت پانے کی ایک ہی شرط ہے۔ حاشیہ (۲۸۰)

آیت کے آخر میں ارشاد ہے کہ (اے عقل والو! میرا تقویٰ اختیار کرو) اس سے مولانا

نے بہت عمدہ نکتہ نکالا ہے کہ:

یہ اور اس طرح کی بہت ساری آیتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ دین اور تقویٰ عقل کا تقاضا ہیں، اور بنی نوع انسان کی عقل ہی اس ذمے داری کی بنیاد ہے۔ قرآن ان لوگوں کے نظریے کی پرزور تردید کرتا ہے، جن کا خیال ہے کہ دین کا عقل سے کوئی تعلق نہیں، وہ صرف دل کے لطیف احساسات کی پیداوار ہے۔ حاشیہ (۳۷۹)

۸- قرآن مجید نے انسانوں کے 'امت واحدہ' ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّـةً وَّاحِدَةً (البقرہ ۲:۲۱۳) (درحقیقت) سارے انسان (ہمیشہ سے) ایک ہی گروہ ہیں۔

اس آیت کا مفہوم مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ تمام انسان آغاز میں ایک امت تھے اور ان کا دین بھی ایک تھا۔ پھر ان میں اختلافات رونما ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اختلافات کو ختم کرنے اور حقیقت حال کو واضح کرنے کے لیے اپنے رسول بھیجے۔ یہ اختلافات بعد کی پیداوار ہیں جو دنیا کی طلب اور ظلم و عدوان کی وجہ سے رونما ہوئے، لیکن مولانا اسے یہاں ماضی کی جگہ ایک حقیقت واقعہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک آیت میں بتایا گیا ہے کہ سارے انسان اپنی اصل کے لحاظ سے ایک ہیں اور ان کا دین بھی ہمیشہ ایک رہا ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے باوجود دنیا کی طلب میں اختلافات رونما ہوتے رہے اور پیغمبروں نے اس کی اصلاح کا فرض انجام دیا۔ مولانا نے اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

(درحقیقت) سارے انسان (ہمیشہ سے) ایک ہی گروہ ہیں اور (سب کے لیے ایک ہی دین ہے لیکن دنیا پرستی کی وجہ سے ان میں اختلافات رونما ہوگئے) تو اللہ نے (راست روی پر) بشارت دینے والے اور (کج روی پر) ڈرانے والے پیغمبر بھیجے، اور ان کے ساتھ پیغام حق رکھنے والی کتاب نازل فرمائی، تاکہ وہ ان اختلافات کا فیصلہ کردے جس میں لوگ مبتلا ہو چکے تھے۔ اور (امر حق میں) یہ اختلافات انھی لوگوں نے کیے جن کو یہ حق بخشا جا چکا تھا (اور اس وقت کیے تھے)' جب کہ روشن ہدایتیں ان کے پاس آئی ہوئی تھیں، (صرف) آپس میں (ایک دوسرے پر) زیادتی کرنے کی خاطر

(انھوں نے ایسا کیا)۔ پس (اس وقت) جو لوگ (نبی پر) ایمان لائے، اللہ نے انھیں اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھادیا جس میں لوگ مختلف الرائے ہوگئے تھے۔ اللہ (اپنی حکمت اور سنت کے مطابق) جس کو چاہتا ہے راہ راست دکھاتا ہے۔

مولانا نے حواشی میں اس کی جو تشریح کی ہے وہ بڑی قابل قدر ہے۔ فرماتے ہیں:

قرآن کی یہ آیت ان بہت ساری آیتوں میں سے ایک ہے جو اعلان کرتی ہیں کہ سارے انسانوں کو ہمیشہ سے ایک ہی دین عنایت ہوتا رہا ہے۔ اصل دین میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ حاشیہ (۴۰۶)

۹- آیت الکرسی (البقرہ ۲:۲۵۵) قرآن مجید کی بڑی اہم آیت ہے۔ مولانا صدر الدین اصلاحیؒ نے اس کی تفسیر میں شفاعت کے صحیح اور غلط تصور کی نہایت عمدہ وضاحت کی ہے: جہاں قرآن نے اس شفاعت کی تردید کی ہے، جس کے مشرکین قائل تھے اور ہیں وہیں شفاعت کا اثبات بھی کیا ہے۔

دونوں طرح کی شفاعتوں کے فرق کو مولانا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: قرآن اس نظریۂ شفاعت کو رد کرتا ہے جو انسان کو عقیدۃً وعملاً خدا کے مقابلے میں کسی مخلوق کے قریب لے جائے، اور اس تصور شفاعت کی توثیق کرتا ہے جو اسے ہر ماسوا کے مقابلے میں خدا سے قریب کرے۔ حاشیہ (۵۴۳)

اس کی وضاحت آگے اس طرح کی ہے کہ: پہلا نظریہ انسان کو یہ باور کراتا ہے کہ تیری فلاح اور بخشش عملی طور پر اصلاً فلاں بزرگ اور فرشتے (اور کسی) مخلوق کے ہاتھ میں ہے۔ کیوں کہ وہ بالذات تیری بخشش کا مالک اور صاحب امر نہیں، بلکہ اصل صاحب امر کے دربار میں بڑا زور اور اثر رکھتا ہے۔

اس کے بالمقابل دوسرا قرآنی تصور شفاعت انسان کو اس ٹھوس حقیقت سے دوچار کراتا ہے کہ سارا اقتدار اور فیصلے کا حق صرف خدا کو ہے۔ سب اس کے دربار میں یکساں مجبور ہیں۔ اس کے حضور زبان کھولنے کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ بولنے کی اجازت دے اور دوسرے یہ کہ جو بات کہی جائے بالکل ٹھیک مطابق واقعہ کہی جائے۔ اسی لیے اگر کوئی شخص

قیامت کے دن کسی کی شفاعت کرے گا بھی تو اس کی حیثیت صرف دعا اور التجا کی ہوگی اور وہ بھی اس وقت جب داورِ حقیقی اس کی اجازت دے۔

عقلی انداز

مولانا صدر الدین اصلاحی کا اسلوب عقلی اور استدلالی ہے۔ قرآنی تعلیمات پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں انھیں رفع کرنے کی انھوں نے نہایت عمدہ کوشش کی ہے اور عقل کو مطمئن کرنے والے دلائل فراہم کیے ہیں۔ لیکن اس میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ عام طور پر جن اصحابِ فکر پر عقلیت کا غلبہ ہوتا ہے وہ ان تمام امور کی توجیہ کرنے لگتے ہیں جنھیں وہ خلاف عقل سمجھتے ہیں۔ خواہ قرآن مجید کے الفاظ اس کا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اس کی زد میں بعض اوقات ملائکہ، جن اور شیاطین، وحی و رسالت اور برزخ جیسے حقائق اور ایمانیات بھی آجاتے ہیں۔ اسی میں انبیاؑ کے معجزات بھی شامل ہیں۔ مولانا کی تفسیر اس مرعوبیت سے پاک ہے۔ ان تمام امور میں ان کے سامنے اصلاً الفاظِ قرآن رہے ہیں اور انھوں نے وہی تفسیر اختیار کی ہے جو قرآن کے الفاظ سے ہم آہنگ ہو یا جن کی الفاظ میں گنجایش ہو۔ اس سے باہر جانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اسے بعض مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

۱- حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کے لیے بحر احمر کے شق ہونے کا ذکر سورۂ بقرہ آیت (۵۰) میں ان الفاظ میں آیا ہے:

وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ط

(یاد کرو وہ وقت) جب ہم نے تمھارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا اور پھر (درمیان سے) تمھیں صحیح سلامت گزار دیا تھا، لیکن فرعونیوں کو تمھاری نگاہوں کے سامنے غرق کر دیا۔

اس کے ذیل میں مولانا کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر، جب کہ کوئی انسانی تدبیر ممکن نظر نہیں آتی تھی، اپنے معمولی قوانین کے بجائے غیر معمولی قوانین کا حکم دیا اور سمندر یکا یک اس طرح پھٹ گیا کہ بیچ میں خشک گزرگاہ نمودار ہوگئی اور دائیں بائیں پانی کی پہاڑیاں نصب ہوگئیں۔ حضرت موسیٰؑ مع اپنی پوری قوم کے خدا کا نام لے کر اس گزرگاہ سے ہوتے ہوئے

دوسرے ساحل پر جا پہنچے۔ فرعون نے جو تعاقب کرتا ہوا اب ساحل پر پہنچ چکا تھا، سمندر کے بیچ سے انسانی گروہ کو گزرتے دیکھ کر خود بھی اپنا گھوڑا ڈال دیا، جب پورا لشکر اتر چکا تو دائیں بائیں کی 'آبی پہاڑیاں' باہم مل گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا لشکر غائب تھا۔ حاشیہ (۹۳)

۲- سورۂ بقرہ کی آیت (۶۰) کے الفاظ ہیں: وَ اِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡہُ اثۡنَتَا عَشۡرَۃَ عَیۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَہُمۡ ؕ "(یاد کرو وہ وقت) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی درخواست کی تھی اور ہم نے کہا تھا کہ 'اپنی لٹھیا فلاں چٹان پر مار' چنانچہ (لٹھیا کا مارنا تھا کہ) اس سے ۱۲ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ کو یہ معلوم (بھی) ہوگیا کہ اس کے پانی لینے کی جگہ کون سی ہے۔

مولانا نے اسے بھی غیر معمولی اور غیر عادی واقعہ قرار دیا ہے: سایہ اور غذا کی طرح پانی کا بھی غیر معمولی طور سے انتظام کیا گیا۔ بالکل معجزے کے طور پر چٹان کا سینہ چاک ہوا اور پانی اُبل پڑا، اور اس انداز سے ابلا کہ اگر بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے تھے تو چشمے بھی ۱۲ ہی پھوٹے تاکہ پانی کی یہ تقسیم بھی خدا ہی کی طرف سے ہوجائے۔ حاشیہ (۱۰۹)

اس کے بعد مولانا نے ان حیرت انگیز اور غیر عادی واقعات کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔

۳- بنی اسرائیل میں جن لوگوں نے سبت کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی، اللہ نے ان کو جو سزا دی اس کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِی السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَہُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً خٰسِئِیۡنَ ۝ (البقرہ ۲:۶۵) چنانچہ تمھیں اپنی قوم کے ان لوگوں کا قصہ بہ خوبی معلوم ہے جنھوں نے سبت کے معاملے میں سرکشی اختیار کرلی تھی اور ہم نے (بطور عذاب) ان سے فرما دیا تھا کہ بن جاؤ بندر، ذلیل اور دھتکارے ہوئے۔

اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ شکل وصورت کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ ذہن و مزاج کی تبدیلی تھی، لیکن مولانا کہتے ہیں: "ہوسکتا ہے کہ ان کی صورتیں نہ بدلی ہوں صرف باطن مسخ ہوکر بندروں جیسا ہوگیا ہو یا یہ صرف ایک مجازی تعبیر ہو ان کے ذلیل و خوار ہوجانے کی' اور یہ بھی ممکن

ہے کہ ظاہراً و باطناً دونوں حیثیتوں سے مسخ کر کے بالکل بندر بنادیے گئے ہوں، اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ دماغ تو انسانوں جیسا دیا گیا ہو مگر صورتیں مسخ کردی گئی ہوں۔ یہی آخری شکل زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس شکل میں خود ان کو بھی اپنے ذہن میں یہ محسوس کرتے رہنے کا موقع تھا کہ یہ سب کچھ ہماری شرارتوں کا نتیجہ ہے۔ حاشیہ (۱۲۶)

۴- بعض لوگ عالم برزخ کا انکار یا اس کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل کے منافی سمجھتے ہیں، حالاں کہ برزخ کی زندگی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ مولانا صدرالدین کے ہاں وضاحت کے ساتھ برزخ کے عقیدے کا ذکر ہے اور اس پر سورۂ بقرہ کی آیت (۱۵۴) سے استدلال کیا ہے۔ آیت کے الفاظ ہیں:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ؁ ان لوگوں کو جو اللہ کے راستے میں قتل ہو جائیں مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں لیکن تمھیں (ان کی زندگی) کا شعور نہیں۔

مولانا لکھتے ہیں: قرآن اور حدیث دونوں سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد انسان بالکل ایسا مردہ نہیں ہو جاتا کہ اس کو حیات سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو اور جب قیامت آئے گی اسی وقت جا کر اسے اس کامل حالتِ مرگ سے نکال کر دوبارہ زندگی عطا کی جائے گی، بلکہ اس دوران میں بھی اس کو ایک طرح کی جزوی زندگی حاصل رہتی ہے، جسے برزخی زندگی کہتے ہیں۔ اس زندگی میں بھی ہر شخص پر اس کے اعمال کے مطابق جنتی نعمتوں اور لذتوں کا یا پھر دوزخی مصیبتوں اور کلفتوں کا ترشح ہوتا رہتا ہے۔ یہاں اس آیت میں اسی زندگی کا ذکر ہے۔ حاشیہ (۲۷۵)

۵- سورۂ بقرہ کی آیت (۲۵۹) میں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حیات بعدالموت کا تجربہ کرایا تھا:

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ۟ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (البقرہ ۲:۲۵۹) یا کیا اس شخص کے حال پر تم نے غور نہیں کیا جس کا گزر ایک بستی پر سے ہوا تھا، جو اپنی چھتوں کے بل ڈھئی پڑی تھی؟ (اسے دیکھ کر بے اختیار) اس کے منہ سے نکلا: "یوں ہلاک ہو جانے کے بعد اللہ اس بستی کو دوبارہ کیسے زندہ کرے گا؟ اس پر اللہ نے ۱۰۰ برس کے لیے اس پر موت طاری کردی، پھر اس کو (زندہ) اٹھا کھڑا کیا۔ دریافت کیا: "تم (یہاں) کتنی دیر رہے؟" بولا: "ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ" فرمایا: (نہیں) بلکہ تم (یہاں اس حالت میں پورے) ۱۰۰ برس رہے ہو۔ سو اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا جائزہ لو کہ ان پر سالہا سال گزر جانے کا کوئی اثر نہیں، دوسری طرف اپنے گدھے کو دیکھو (کہ اس کا پنجر تک بوسیدہ ہو رہا ہے)۔ (ہم نے تمھیں اپنی قدرت کا مشاہدہ اس لیے کرایا ہے تاکہ تم کو نور یقین حاصل ہو) اور اس لیے تاکہ ہم تمھیں لوگوں کے واسطے (بھی) ایک نشانی بنا دیں۔ اور پھر دیکھو کہ ہم کس طرح ہڈیوں کو اٹھا کر (ان کا ڈھانچا بناتے اور) پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں"۔ جب اس کے سامنے حقیقت یوں بے حجاب ہوگئی تو بول اٹھا: "مجھے یقین ہے کہ اللہ ہر بات پر قادر ہے"۔

بعض لوگوں کو اسے بھی غیر عادی اور معجزانہ واقعہ ماننے میں تأمل ہوسکتا ہے، لیکن مولانا نے اسے ایک غیر عادی واقعے ہی کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس ہستی پر اللہ نے موت طاری کردی: "ہوسکتا ہے کہ انھیں بالکل مردہ حالت میں رکھا گیا ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ ان پر ایک طویل نیند طاری کردی گئی ہو۔ قرآن میں نیند کے لیے موت کا استعمال یا استعارہ نایاب نہیں گو کم یاب ضرور ہے۔ حاشیہ (۵۶۰)

یہ بات کہ ۱۰۰ برس گزرنے کے باوجود کھانے پینے کی چیزیں جوں کی توں رہیں اور دوسری طرف گدھے کا ڈھانچا بوسیدہ ہو چکا تھا، اس پر مولانا لکھتے ہیں:

گویا جس چیز پر موسمی حالات اور تغیرات کا' نیز امتداد وقت کا اثر نسبتاً کچھ دیر میں ہوتا ہے (یعنی جانور) وہ تو یوں گل سڑ چکی تھی، مگر جس پر یہ اثر بہت جلد ہوتا ہے (یعنی کھانا

یا پانی) وہ بدستور تر و تازہ موجود تھی۔ یوں اگر ایک شے اس امر کی شاہد تھی کہ یہاں کا قیام ایک لمبی مدت کا قیام ہو چکا ہے، تو دوسری اس حقیقت کی گواہ تھی کہ قوانین قدرت اور عناصر فطرت اپنے فعل و تاثیر میں آزاد اور مستقل نہیں ہیں، بلکہ کسی بالاتر قوت (یا) قدرت الٰہی کے تابع فرمان ہیں، لہٰذا ضروری نہیں کہ عام قانونِ حیات کسی شے کو اپنے ضابطے کے تحت فنا کی منزل پر پہنچا ہی دے' اور جب یہ امر واقعہ ہے تو پھر کیا فرق ہے اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت جب چاہے قوانین فطرت کو ان کے اپنے عمل سے روک دے' اور اس بات میں کہ یہی قدرت عناصر طبیعت کو اس شے کی واپسی کا حکم دے دے، جس کے اجزا بکھر کر ان کے معدوں میں جذب یا مستور ہو چکے ہیں۔ اور پھر یہ بکھرے ہوئے اجزا اس کے حکم سے از سرِ نو سمٹ کر ایک مکمل قالب اور حسب سابق ایک زندہ جسم کی شکل میں تبدیل ہو جائیں۔ حاشیہ (۵۶۲)

بعض اختلافی مسائل

مولانا صدر الدین نے اپنی تفسیر میں بعض اختلافی مسائل سے بھی تعرض کیا ہے۔
قرآن مجید نے منکرین حق کے بارے میں فرمایا (خٰلِدِیْنَ فِیْھَا) کہ وہ جہنّم میں ہمیشہ رہیں گے۔ مولانا فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ جب تک جہنّم رہے گی۔ رہی یہ بات کہ جہنّم کب تک رہے گی تو اس کی بابت قرآن صرف یہ بتاتا ہے کہ جب تک اللہ چاہے گا۔ (ھود ۱۱:۱۰۷)، حاشیہ (٦٧)

اس سے خیال ہوتا ہے کہ مولانا غالباً جہنّم کو ابدی نہیں سمجھتے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض علما کی یہ رائے ہے، لیکن عام علما اور محققین کے نزدیک جنت کی طرح جہنّم بھی ابدی ہے۔

۲- اسلام کے جن احکام و مسائل پر اعتراض کیا جاتا ہے ان میں ایک قتل مرتد کا مسئلہ بھی ہے۔ اسے آزادیِ فکر کے منافی سمجھا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی گئو سالہ پرستی اور اس پر ان کی سزا کا ذکر سورۂ بقرہ (۵۴) میں ان الفاظ میں آیا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ

فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ ط فَتَابَ عَلَیْکُمْ ج اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o (یاد کرو وہ وقت) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''اے میری قوم کے لوگو! تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر یقیناً اپنے اوپر (سخت) ظلم کیا ہے، پس اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنے (اندر کے مجرموں) کو قتل کر ڈالو، اسی میں تمھارے خالق کے نزدیک تمھاری بھلائی ہے''۔ چنانچہ (اس وقت ایسا ہوا تھا کہ تمھاری عفو خواہی پر) اس نے تمھاری توبہ قبول فرمالی بلاشبہہ اس کی درگزر اور رحم فرمائی بڑی بے پایاں ہے۔

مولانا صدرالدین اصلاحی نے (فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ) کا جو ترجمہ کیا ہے بالعموم مفسرین نے ان الفاظ کے یہی معنی لیے ہیں۔ اس کے حاشیے میں مولانا فرماتے ہیں: یعنی جن لوگوں نے اس شرک کا ارتکاب کیا ہے انھیں قانون شریعت کے مطابق ارتداد کی سزا دی جائے اور قتل کر دیا جائے۔ حاشیہ (۹۷)

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ توریت یا موسوی شریعت میں مرتد کی سزا قتل تھی، کیا توریت میں اب بھی یہ حکم موجود ہے؟ اس کے متعلق میں کچھ عرض نہیں کرسکتا، لیکن اگر یہ ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آخری رسول محمدؐ کی شریعت نے اس حکم کو باقی رکھا جو پہلے سے توریت میں موجود تھا۔

۳- دیت کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں کہ: آزاد، غلام اور عورت میں سے ہر ایک کے خون کی قیمت کیا ہوگی تو شریعت نے اس کی کوئی تعیین نہیں فرمائی ہے بلکہ اسے دستورِ عام پر چھوڑ دیا ہے۔ جس ملک یا سوسائٹی میں اہل الرائے کے درمیان جو قیمتیں طے قرار پا جائیں، شریعت کے نزدیک وہی قیمتیں قابلِ تسلیم ہوں گی۔ حاشیہ (۳۶)

عام طور پر علما نے حدیث کی بنیاد پر دیت ۱۰۰ اُونٹ مانی ہے۔ اونٹ کی قیمت بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ آزاد، غلام اور عورت کی دیت میں کوئی فرق ہے یا نہیں، اس پر بھی اہل علم نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ مولانا کی اس رائے کو ایک صاحب علم کی رائے کی حیثیت سے دیکھا جاسکتا ہے۔

اصلاح اُمت

مولانا کی تفسیر کا انداز خالص علمی ہے۔ اس میں ملکی و غیر ملکی حالات، سیاسی تغیرات اور امت کے مسائل کا ذکر نہیں ملتا، لیکن کہیں کہیں امت کی کم زوریوں کی طرف اشارے کیے گئے ہیں اور اصلاح حال کی دعوت دی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز ہی میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا گیا (هُدًى لِّلْمُتَّقِيْن)، یعنی یہ سراپا ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے اندر تقویٰ ہے۔

مولانا نے تقویٰ کی تفصیل سے وضاحت کی ہے۔ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی ایک خاص اصطلاح ہے اور اس سے مراد انسان کے دل کی وہ کیفیت ہے جو اس کو ہر لمحے اس بات پر آمادہ رکھتی ہے کہ وہ اپنے محسن حقیقی کے احسانوں کو یاد رکھے، ان کے تقاضوں سے غافل نہ ہو۔

اس کے بعد قرآن نے متقیوں کی صفات بیان کی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ:

> قرآن نے یہاں جو انداز بیان اختیار کیا ہے اس پر انھیں (مسلمانوں کو) گہری نظر ڈال کر محسوس کرنا چاہیے کہ ہدایت کا مفہوم کتنا وسیع ہے، اور کس طرح وہ پوری زندگی کو گھیرے ہوئے ہے۔ ہدایت صرف اس چیز کا نام نہیں کہ آدمی بس خدا اور آخرت پر اپنے اعتقاد کا اظہار کر دے اور جوں توں کر کے نماز پڑھ لے اور زکوٰۃ دے دے، بلکہ اس کا تعلق انسان کی زندگی کے ایک ایک شعبے اور ایک ایک معاملے سے ہے..... ورنہ اگر ہدایت یافتگی کا مطلب صرف یہ ہوتا کہ انسان توحید، رسالت اور آخرت کا اقرار کرے اور نماز روزے کی پابندی اختیار کرے، جیسا کہ تنگ نظر لوگ سمجھے بیٹھے ہیں، تو قرآن کے اس قول کے کوئی معنیٰ نہیں رہ جاتے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو ایسا ایسا کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ایسا ایسا کر کے ہدایت یاب ہو ہی چکے ہیں۔ انھیں اب قرآن کیا ہدایت بخشے گا؟ حاشیہ (۱۰)

اس طرح کے بعض اور بھی مقامات ہیں جہاں مولانا نے مسلمانوں کو ان کی خامیوں کی نشان دہی کی ہے اور اصلاح کی طرف متوجہ کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص دنیا میں کسی مومن کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دُور کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دُور کر دے گا۔ جو شخص کسی مشکل میں پھنسے ہوئے آدمی کو آسانی فراہم کرے گا' اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لیے آسانی فراہم کرے گا۔ جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا' اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔ (مسلم)

رمضان المبارک کی آمد

محمد یوسف اصلاحی

۱- رمضان المبارک کا شایانِ شان استقبال کرنے کے لیے شعبان ہی سے ذہن کو تیار کیجیے اور شعبان کی ۱۵ تاریخ سے پہلے پہلے کثرت سے روزے رکھیے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب مہینوں سے زیادہ شعبان کے مہینے میں روزے رکھا کرتے تھے۔

۲- پورے اہتمام اور اشتیاق کے ساتھ رمضان المبارک کا چاند دیکھنے کی کوشش کیجیے اور چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھیے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی - رَبُّنَا وَرَبُّکَ اللّٰہُ

خدا سب سے بڑا ہے۔ خدایا! یہ چاند ہمارے لیے امن و ایمان و سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر طلوع فرما اور ان کاموں کی توفیق کے ساتھ جو تجھے محبوب اور پسند ہیں۔ اے چاند! ہمارا رب اور تیرا رب اللہ ہے۔

اور ہر مہینے کا نیا چاند دیکھ کر یہی دعا پڑھیے۔ (ترمذی' ابن حبان وغیرہ)

۳- رمضان میں عبادات سے خصوصی شغف پیدا کیجیے۔ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل کا بھی خصوصی اہتمام کیجیے اور زیادہ سے زیادہ نیکی کمانے کے لیے کمربستہ ہو جائیے۔ یہ عظمت و برکت والا مہینہ خدا کی خصوصی عنایت اور رحمت کا مہینہ ہے۔

شعبان کی آخری تاریخ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا:

لوگو! تم پر ایک بہت عظمت و برکت کا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ خدا نے اس مہینے کے روزے فرض قرار دیے ہیں اور قیام اللیل (مسنون تراویح) کو نفل قرار دیا ہے۔ جو شخص اِس مہینے میں دل کی خوشی سے بطور خود کوئی ایک نیک کام کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر پائے گا' اور جو شخص اس مہینے میں ایک فرض ادا کرے گا خدا اس کو دوسرے مہینوں کے ۷۰ فرضوں کے برابر ثواب بخشے گا۔

۴- پورے مہینے کے روزے نہایت ذوق و شوق اور اہتمام کے ساتھ رکھیے اور اگر کبھی مرض کی شدت یا شرعی عذر کی بنا پر روزے نہ رکھ سکیں' تب بھی احترامِ رمضان میں کھلم کھلا کھانے سے سختی کے ساتھ پرہیز کیجیے اور اس طرح رہیے کہ گویا آپ روزے سے ہیں۔

۵- تلاوتِ قرآن کا خصوصی اہتمام کیجیے۔ اس مہینے کو قرآنِ پاک سے خصوصی مناسبت ہے۔ قرآنِ پاک اسی مہینے میں نازل ہوا اور دوسری آسمانی کتابیں بھی اسی مہینے میں نازل ہوئیں...... اس لیے اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ قرآن پاک پڑھنے کی کوشش کیجیے۔ حضرت جبرئیلؑ ہر سال رمضان میں نبیؐ کو پورا قرآن سناتے اور سنتے تھے' اور آخری سال آپ نے رمضان میں نبیؐ کے ساتھ دو بار دَور فرمایا۔

۶- قرآن پاک ٹھیر ٹھیر کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کیجیے۔ کثرتِ تلاوت کے ساتھ ساتھ سمجھنے اور اثر لینے کا بھی خاص خیال رکھیے۔

۷- تراویح میں پورا قرآن سننے کا اہتمام کیجیے۔ ایک بار رمضان میں پورا قرآنِ پاک سننا مسنون ہے۔

۸- تراویح کی نماز خشوع خضوع اور ذوق و شوق کے ساتھ پڑھیے اور جوں توں ۲۰ رکعت کی گنتی پوری نہ کیجیے' بلکہ نماز کو نماز کی طرح پڑھیے تاکہ آپ کی زندگی پر اس کا اثر پڑے اور خدا سے تعلق مضبوط ہو۔ خدا توفیق دے تو تہجد کا بھی اہتمام کیجیے۔

۹- صدقہ اور خیرات کیجیے۔ غریبوں' بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کیجیے اور ناداروں کی سحری اور افطار کا اہتمام کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''یہ مواسات کا مہینہ ہے''، یعنی غریبوں اور حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی کا مہینہ ہے۔ ہمدردی سے مراد مالی ہمدردی بھی ہے

اور زبانی ہمدردی بھی۔ ان کے ساتھ گفتار اور سلوک میں نرمی برتیے۔ ملازمین کو سہولتیں دیجیے اور مالی اعانت کیجیے۔

۱۰- شب قدر میں زیادہ سے زیادہ نوافل کا اہتمام کیجیے اور قرآن کی تلاوت کیجیے۔ اس رات کی اہمیت یہ ہے کہ اس رات میں قرآن نازل ہوا۔

حدیث میں ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہوتی ہے۔ اِسی رات کو یہ دعا پڑھیے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (حصن حصین)

خدایا! تو بہت ہی زیادہ معاف فرمانے والا ہے کیونکہ معاف کرنا تجھے پسند ہے، پس تو مجھے معاف فرمادے۔

۱۱- رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری ۱۰ دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

۱۲- رمضان میں لوگوں کے ساتھ نہایت نرمی اور شفقت کا سلوک کیجیے۔ ملازمین کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دیجیے اور فراخ دلی کے ساتھ اُن کی ضرورتیں پوری کیجیے اور گھر والوں کے ساتھ بھی رحمت اور فیاضی کا برتاؤ کیجیے۔

۱۳- نہایت عاجزی اور ذوق وشوق کے ساتھ زیادہ دعائیں کیجیے۔ درمنثور میں ہے کہ جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا تھا اور نماز میں اضافہ ہوجاتا تھا اور دعا میں بہت عاجزی فرماتے تھے اور خوف بہت زیادہ غالب ہوجاتا تھا۔

۱۴- صدقہ فطر دل کی رغبت کے ساتھ پورے اہتمام سے ادا کیجیے اور عید کی نماز سے پہلے ادا کر دیجیے، بلکہ اتنا پہلے ادا کیجیے کہ حاجت مند اور نادار لوگ سہولت کے ساتھ عید کی ضروریات مہیا کرسکیں اور وہ بھی سب کے ساتھ عیدگاہ جاسکیں اور عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکیں۔

۱۵- رمضان کے مبارک دنوں میں خود زیادہ سے زیادہ نیکی کمانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی نہایت سوز، تڑپ، نرمی اور حکمت کے ساتھ نیکی اور خیر کے کام کرنے پر ابھاریے تاکہ پوری فضا پر خدا ترسی، خیر پسندی اور بھلائی کے جذبات چھائے رہیں اور سوسائٹی زیادہ سے زیادہ رمضان کی بیش بہا برکتوں سے فائدہ اٹھاسکے۔

مغرب کا انسان

اسباب و علل کے چکر میں پھنسا ہوا ہے

اور اسباب ہی کو اَرْبَابًا مِّن دُوْنِ اللّٰہِ ط (آل عمران ۳:۶۴) بنا رکھا ہے

لیکن اسباب کے پیچھے غیب میں

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (صٓ ۳۸:۶۶) کے حقیقی دستِ کارفرما کا جلوہ

انسان، انبیا علیہم السلام کی انگلی پکڑے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔

---نجات کا یہ راستہ

---ترقی کا یہ نسخہ

اس رب حقیقی کا بتایا ہوا راستہ اور نسخہ ہے۔

اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم
ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔
(الاعراف ۷:۹۶)

خرم مراد

مغرب اور عالم اسلام، ص ۱۷۸

(خیر خواہ)

داعی کی ایک اہم صفت

عتیق الرحمٰن صدیقی ○

اللہ کے محبوب اور پسندیدہ بندوں میں استکبار کے بجائے خاکساری نمایاں ہوتی ہے۔ دین کی دعوت پیش کرتے ہوئے اور تبادلۂ خیال کرتے ہوئے وہ اکڑنے اور الجھنے کی کوشش نہیں کرتے' جہلا اگر ان کے منہ آنے لگیں تو وہ کج بحثی کے درپے نہیں ہوتے بلکہ خوب صورتی اور شایستگی کے ساتھ سلام کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ سورہ الفرقان میں اس خصوصیت کو یوں بیان کیا گیا ہے ؎

اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام

صاحب تفہیم القرآن رحمٰن کے بندوں کے اس وصف کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جاہل سے مراد اَن پڑھ یا بے علم آدمی نہیں' بلکہ وہ شخص ہے جو جہالت پر اتر آئے اور کسی شریف آدمی سے بدتمیزی کا برتاؤ کرنے لگے۔ رحمٰن کے بندوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گالی کا جواب گالی سے اور بہتان کا جواب بہتان سے اور اسی طرح کی بے ہودگی کا جواب بے ہودگی سے نہیں دیتے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ''اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اسے نظرانداز کر دیتے ہیں' کہتے ہیں بھائی ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے۔ سلام ہے تم کو' ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگتے''۔ (تفہیم القرآن' ج ۳' ص ۴۶۲-۴۶۳)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو کم عقل اور بے ادب

○ ہری پور' ہزارہ

لوگوں کی بات کا جواب عفو وصفح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے نہ ان میں شامل ہوں، نہ ان سے لڑیں۔ ان کا شیوہ وہ نہیں کہ ”خبردار ہم سے کوئی جہالت کرے، ہم اس کے جواب میں جہالت کی تمام حدود پھاند جائیں گے“۔

آلا لا یجھلن احدٌ علینا

فنجھل فوق جھل الجاھلینا

(تفسیر عثمانی، سورۃ الفرقان، حاشیہ ۷۸)

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: ”جاہل سے مراد بے علم آدمی نہیں بلکہ وہ جو جہالت کے کام اور جاہلانہ باتیں کرے خواہ واقع میں وہ ذی علم بھی ہو اور لفظ سلام سے مراد یہاں عرفی سلام نہیں بلکہ سلامتی کی بات ہے۔ قرطبی نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم سے مشتق نہیں بلکہ تسلُّم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سلامت رہنا۔ مراد یہ ہے کہ جاہلوں کے جواب میں وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں جس سے دوسروں کو ایذا نہ پہنچے اور یہ گنہگار نہ ہو۔ یہی تفسیر حضرت مجاہد، مقاتل وغیرہ سے منقول ہے (مظہری)۔ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۵۰۲)

سید مودودی رقمطراز ہیں: ”جاہلوں سے نہ اُلجھا جائے خواہ وہ اُلجھنے اور اُلجھانے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ داعی کو اس معاملے میں سخت محتاط ہونا چاہیے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہوں۔ اور جب کوئی شخص جہالت پر اتر آئے اور حجت بازی، جھگڑالوپن اور طعن وتشنیع شروع کر دے تو داعی کو اس کا حریف بننے سے انکار کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جھگڑے میں الجھنے کا حاصل کچھ نہیں ہے اور نقصان یہ ہے کہ داعی کی جس قوت کو اشاعت دعوت اور اصلاح نفوس میں خرچ ہونا چاہیے وہ اس فضول کام میں ضائع ہو جاتی ہے“۔ (تفہیم القرآن، سورۂ اعراف، ج ۲، ص ۱۱۲)

حافظ عمادالدین (ابن کثیر) فرماتے ہیں کہ: ”جب جاہل لوگ (رحمٰن کے بندوں سے) ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو یہ بھی ان کی طرح جہالت پر نہیں اتر آتے بلکہ درگزر کر لیتے

ہیں، معاف فرما دیتے ہیں اور سوائے بھلی بات کے گندی باتوں سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرتے، جیسے کہ رسولؐ کی عادت مبارک تھی۔ جوں جوں دوسرا آپؐ پر تیز ہوتا آپؐ اتنے ہی نرم ہوتے...... رسولؐ کے سامنے کسی شخص نے دوسرے کو برا بھلا کہا لیکن اس نے پلٹ کر جواب دیا کہ تجھ پر سلام ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم دونوں کے درمیان فرشتہ موجود تھا۔ وہ میری طرف سے گالیاں دینے والے کو جواب دیتا تھا۔ وہ جو گالی تجھے دیتا تھا فرشتہ کہتا تھا، یہ نہیں بلکہ تو، اور جب تو کہتا تھا تجھ پر سلام تو فرشتہ کہتا تھا: اس پر نہیں بلکہ تجھ پر، تو ہی سلامتی کا پورا حق دار ہے" (مسند احمد)۔ پس فرمان ہے کہ یہ اپنی زبان کو گندی نہیں کرتے۔ برا کہنے والوں کو برا نہیں کہتے۔ سوائے بھلے کلمے کے زبان سے اور کوئی لفظ نہیں نکالتے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "دوسرا ان پر ظلم کرے، یہ صلح اور برداشت کرتے ہیں"۔ (ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۵)

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ "ہجرتِ حبشہ کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کی خبریں حبش کے ملک میں پھیلیں تو وہاں سے ۲۰ کے قریب عیسائیوں کا ایک وفد تحقیق حال کے لیے مکہ معظمہ آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد حرام میں ملا۔ قریش کے بہت سے لوگ بھی یہ ماجرا دیکھ کر گرد و پیش کھڑے ہوگئے۔ وفد کے لوگوں نے حضورؐ سے کچھ سوالات کیے جن کا آپؐ نے جواب دیا۔ پھر آپؐ نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور قرآن مجید کی آیات ان کے سامنے پڑھیں۔ قرآن سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور انھوں نے اس کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کی اور حضورؐ پر ایمان لے آئے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے ان لوگوں کو راستے میں جالیا اور انھیں سخت ملامت کی کہ "بڑے نامراد ہو۔ تمھارے ہم مذہب لوگوں نے تم کو اس لیے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کے حالات کی تحقیق کر کے آؤ اور انھیں ٹھیک ٹھیک خبر دو، مگر تم ابھی اس کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ اپنا دین چھوڑ کر اس پر ایمان لے آئے۔ تم سے زیادہ احمق گروہ تو کبھی ہماری نظر سے نہیں گزرا"۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ "سلام ہے بھائیو تم کو۔ ہم تمھارے ساتھ جہالت بازی نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہمارے طریقے پر چلنے دو اور تم اپنے طریقے پر چلتے رہو۔ ہم اپنے آپ کو جان بوجھ کر بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے"۔ (سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۲ بحوالہ تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۶۴۵)

اسی واقعے کا ذکر سورۂ قصص میں بھی آیا ہے: ''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب وہ انھیں سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے' یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے' ہم اس سے پہلے بھی اسی دین اسلام پر تھے...... اور جب انھوں نے بے ہودہ باتیں سنیں تو اُلجھنے سے پرہیز کیا اور بولے: ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے' تم کو سلام ہے ہم جاہلوں کا طریقہ پسند نہیں کرتے''۔ (تفہیم القرآن 'ج ۳' ص ۵۳۷-۵۳۸)

یہ اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی ایک اہم صفت ہے کہ وہ متانت' سنجیدگی اور معقولیت سے کام لیتے ہیں' اپنی بات کو نہایت شائستگی سے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ بحث و جدال میں نہیں پڑتے۔ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ جاہلوں سے اُلجھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد سے بحث و تمحیص اور الجھاؤ سے بچنے کی خاطر سلامٌ علیکم کہہ کر مفارقت کا ایک شائستہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس لیے کہ ضدی' ہٹ دھرم اور جھگڑالو لوگ دلیل سے بات کرنے کے بجاے گالم گلوچ اور دشنام طرازی پر اتر آتے ہیں۔ ایسے میں عفو و درگزر سے کام لینے' معروف انداز میں بات کرنے اور ان سے اعراض کرنے ہی میں عافیت ہے۔ اس طرح اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ مومن کے شریفانہ طرزِعمل سے کسی موقع پر اس کا دل پسیج جائے۔ قرآن نے بھی اپنے نبی کو یہی تعلیم دی اور آپؐ نے بھی دعوت و تبلیغ اور عام گفتگو میں یہی انداز اپنایا۔ فرمایا:

> اے نبیؐ! نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو' معروف کی تلقین کیے جاؤ' اور جاہلوں سے نہ الجھو۔ اگر کبھی شیطان تمھیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو' وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انھیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہوجاتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے۔ رہے ان کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند' تو وہ انھیں کج روی میں کھینچے لیے جاتے ہیں اور انھیں بھٹکانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔ (الاعراف ۷:۱۹۹-۲۰۲)

فکری یلغار...... ماہیت اور اثرات

محمد زین العابدین منصوری ○

حق و باطل کے مابین عروج و زوال کی کش مکش اور غلبے کی مسابقت کو مشیتِ خداوندی میں ایک تکوینی مسلّمہ کا مقام حاصل ہے۔ اہل باطل اس امر سے واقف ہیں کہ اہلِ حق پر مکمل غلبے کے لیے محض جنگی مشینوں سے یورش اور فوجی یلغار' کافی اور دیرپا نہیں ہوسکتی کیوں کہ دوسری اقوام سے مختلف' ملت اسلامیہ کی قوت و توانائی اور عزم و حوصلہ کا اصل سرچشمہ اساسیاتِ دین اور اس کی اسلامی تہذیبی اقدار اور اخلاقی ضابطے ہیں۔ لہٰذا اس قوت کو مضمحل اور کمزور کردینا صرف فکری و نظریاتی یلغار ہی سے ممکن ہے۔

باطل نے صدیوں اس کے لیے محنت اور تیاری کی ہے۔ مستشرقین کا ایک بڑا طائفہ ایک طویل عرصے متعدد پہلوؤں سے اسلام کے مطالعے اور تحقیق و تصنیف میں غیر معمولی محنت' کاوش اور جانفشانی کے ساتھ مصروفِ کار رہا ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام یونی ورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبے قائم کیے گئے ہیں جن میں دراساتِ اسلامی کے مآخذ و مصادر بیش تر یہودی و نصرانی مفکرین' اسکالرز اور مصنفین کی کتابیں رہی ہیں اور ایسے ہی اساتذہ کی سرپرستی و نگرانی میں اسلامک اسٹڈیز میں ڈاکٹریٹ کے طلبہ (مسلم و غیر مسلم ریسرچ اسکالرز) اسلامیات پر تحقیق کرتے اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کرتے رہے ہیں۔ بیش تر یہی اسکالرز ہیں جو صدی دو صدی سے اسلام کی تشریح و تعبیر کررہے ہیں۔ یہ جدید دور میں جدید اسلام کے ترجمان متصور کیے جاتے ہیں اور نئی نسلوں کی

○ انجینیر' رکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند

علمی و فکری رہنمائی بیش تر انھی کے اور ان سے فیض یافتہ دانش وروں کے ہاتھوں میں ہے۔

مقاصد اور حکمتِ عملی

اس فکری یلغار کے مقاصد متعدد ہیں اور اس کے اثرات بے شمار اور وسیع۔ ذیل میں اختصار سے ان میں سے صرف چند کا مجمل تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱- امت مسلمہ کے پاؤں اساسیات دین کی زمین سے اکھڑ جائیں۔ وہ عقائد و عبادات کی رسمیات و مظاہر تک سمٹی رہ کر نظریات و افکار، اخلاق و کردار اور اطوار و تہذیب کی وسیع تر زمین پر پہلے تشکیک و تذبذب، پھر مرعوبیت و احساسِ کہتری اور بالآخر شکست خوردگی سے دوچار ہو کر ایک پست حوصلہ و مغلوب قوم بن کر رہ جائے۔ اگر کچھ فعال و متحرک ہو بھی تو صرف دفاعی سطح پر۔

۲- قرآن و سنت کے بجائے دیگر ذرائع علم سے ملت رہنمائی اخذ کرنے کی خوگر بن جائے۔ قرآن و سنت پر اس کا اعتماد یا تو کمزور ہو جائے یا جملہ امور و معاملات میں وہ آیات و احادیث کی ایسی تاویل کرنے لگے جو فکری یلغار کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو۔

۳- اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور تہذیبی اقدار، ملت کو تاریک خیالی، قدامت پسندی محسوس ہونے لگیں۔ وہ انھیں بنیاد پرستی اور شدت پسندی پر محمول کرنے لگے اور یہ یقین کرنے لگے کہ جب تک اسلام اور شریعتِ اسلامی کی جدید تعبیر نہ ہو، یہ عصر جدید کا ساتھ دینے والا، عہدِ حاضر کے ساتھ چلنے والا دین ہرگز نہ رہ سکے گا۔

۴- عورت کے مقام و حیثیت، خاندان، معاشرے اور تمدن میں اس کے رول سے متعلق اسلام کے اعلیٰ و ارفع اصولوں، تعلیمات اور قوانین کو مسلمانوں کی نگاہ میں صرف غیر معتبر ہی نہیں بلکہ حقیر بنا دیا جائے۔

۵- باطل قوتوں کے مظالم، استبداد، استحصال اور استعمار کی مزاحمت کرنے والی قوت بازو کو جس جس منبع اور جس جس مخرج سے غذا اور توانائی بہم پہنچ سکتی ہو، اسے فکری یلغار اور پروپیگنڈا مشینری سے اتنا بدنام کر دیا جائے کہ خود ملت کی صفوں سے ایسے مفکر، دانش ور، علما، صحافی، قائد اٹھ کھڑے ہوں جو باطل کوششوں کے مزاحمت کاروں کے خلاف ایسے بیانات، فتوے اور تحریریں

جاری کرنے لگیں کہ ان کی نظر میں اسلام کے چہرے پر لگے 'بدنامی کے داغ' دھل جائیں۔

۶- اسلام کے احیا و غلبے کے لیے سرگرم تحریکاتِ اسلامی کو ___ جو باطل کے لیے خطرہ اور چیلنج ہیں ___ اس قدر بدنام کردیا جائے کہ عام مسلمان ان سے نفرت کرنے لگیں اور انھیں اتنا خوف زدہ اور پریشان کردیا جائے کہ عام مسلمان ان سے دور رہنے ہی میں عافیت محسوس کریں۔

۷- اسلام کے خلاف پروپیگنڈا جہاں ایک طرف فکری یلغار کی شکل میں امتِ مسلمہ کو منفی طور پر متاثر کرے، وہیں دوسری طرف اسلام کی خوبیوں کو نقائص کے طور پر پیش کر کے غیر مسلمین کے لیے بھی نہ صرف اسلام کی کشش کو زائل کردے بلکہ اس کے تئیں انھیں متوحش و متنفر کردے۔

فکری و تہذیبی یلغار اور اس کے اثرات

یوں تو ملت اسلامیہ اپنی پوری تاریخ میں طرح طرح کی سازشوں اور فتنوں سے نبرد آزما ہوتی رہی ہے، تاہم ان کی کیفیت، نقصانات اور دائرہ ہائے اثر زمان و مکان، ہر دو اعتبار سے محدود اور عارضی رہے ہیں، لیکن بین الاقوامیت، عالم گیریت اور مواصلاتی تیز رفتاری و ہمہ گیری کے موجودہ دور میں فکری حملوں، سازشوں اور فتنوں میں وسعت، زود اثری اور تیز رفتاری آگئی ہے۔ تقریباً ۲۰۰ سال کے دورِ انحطاط میں ایک طرح کی سیاسی غلامی نے فکری اثر پذیری اور غلامی کے لیے ملّی رجحان کو ہموار کیا ہے۔ نتیجے کے طور پر فکر و نظریہ اور علم و دانش کا کوئی بھی گوشہ اور اخلاقیات و معاشرت، علوم و عمرانیات، تہذیب و ثقافت اور معاشیات و اقتصادیات کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جو ان حملوں کی زد میں اور اس یلغار سے کم یا زیادہ متاثر نہ ہوا ہو۔

○ **اُمت کے بجاے قومیت کا تصور**: مسلمانوں کو امت متحدہ اور ملت واحدہ بنائے رکھنے کا راز 'اسلامی قومیت' کے تصور میں مضمر تھا۔ اس پر جغرافیائی وطنی قومیت کے تصور کی فکری یلغار ہوئی، ملت نے اسے بحالتِ اکراہ ہی گوارا نہیں کیا بلکہ بہ شرح صدر اسے پسند اور قبول بھی کرلیا۔ اب وطنی قومیت پرستی اس کا متوازی یا ذیلی دین بن گئی اور وطن ایک ایسا خدا بن گیا ہے جس کا تعارف اقبال نے 'ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے' کے الفاظ میں کرایا تھا۔ اس کے اثرات و نقصانات عالمی المیوں اور بحرانوں کی شکل میں اظہر من الشّمس ہیں۔ الگ الگ اوطان میں

منقسم و منتشر ۱۲۵ کروڑ مسلمانوں کی اکثریت ۶۰، ۶۲ ایسے حکمراں سرداروں کی رعیت میں ہے جن میں سے بیش تر دشمنانِ اسلام کے حلیف یا مملوک ہیں۔ اب اس بت سے بے زاری کے مظاہرے کی رسم صرف سال میں ایک بار پانچ دن کے لیے دورانِ حج باقی رہ گئی ہے۔

○ **خدا کے بجائے جمہور کی بالادستی:** ''اجتماعی نظام اور تمدنی ساخت کی صورت گری میں فیصلہ کن رول ادا کرنے میں انسان اور انسانوں کا مجموعہ خود کفیل و خود مختار ہے اور اس کا یہ کام، نیز اس کے لیے یہ کام جمہور کریں گے''۔ یہ ایک سراسر باطل فکر ہے اور اسلام سے راست متصادم ہے۔ اس فکر پر اگر کہیں ایک نظام 'بالقوۃ' قائم و نافذ ہو تو اسلام اسے گوارا کرنے اور اس کی کچھ خوبیوں سے استفادہ کا موقع تو دیتا ہے لیکن اسے بہ رضا و رغبت 'بالحق' تسلیم کر لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس فکر کی شدید و متواتر یلغار نے مسلمانوں کو نہ صرف اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خدا کے منصب پر جمہور کے تمکن کو بطور امر واقعہ گوارا کرلیں بلکہ اس موقف پر بھی پہنچا دیا کہ وہ اسے قانونًا بھی سند قبولیت دے دیں۔ اس فکری یلغار نے مسلمانوں کے بڑے بڑے اہل علم و دانش کو بھی یہ باور کرا دیا کہ یہی صورتِ حال ملت اسلامیہ کی آخری اور مطلوبہ منزل ہے۔ وہ شعر تو پڑھتے ہیں: 'ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں'، لیکن عملاً اسی زمین کی پستیاں انھیں راس آگئی ہیں۔ اس سے کتاب و سنت کا ایک بڑا حصہ عملاً اور مستقلاً معطل اور منسوخ ہو کر رہ گیا اور المیہ یہ ہے کہ نہ صرف عامۃ المسلمین سے بلکہ ان کی رہنمائی کرنے والوں سے بھی، اس عظیم زیاں کا احساس ہی نہیں ادراک بھی سلب ہو گیا۔

○ **ادیان باطل اور رواداری کا غلط تصور:** دین کی جامعیت اور ہمہ جہتی کے تصور کو خارجی یلغار نے سمیٹ کر نہایت ہی غیر فعال اور محدود کر دیا تو خود ملت کی نگاہ میں اسلام کی امتیازی حیثیت تقریباً معدوم ہو گئی اور یہ دیگر ادیان کے گویا مساوی دین قرار پایا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کا درست ترجمہ تو برقرار رہا لیکن اس کی معنویت کھو گئی۔ بڑے بڑے ذہین و زیرک مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ بات درست قرار پائی کہ دین حق اور ادیانِ باطلہ کے درمیان خوش تعلقی، خیرسگالی اور پُر امن بقائے باہم بحال رہنا چاہیے۔ یہ ایک بڑا نظریاتی المیہ ہے کہ سورۃ الکافرون جو ادیانِ باطلہ سے بے زاری و براءت کا اظہار و اعلان تھی اس کی ایسی تاویل کی

جانے لگی کہ تمام ادیان اسلام کے نزدیک ٹھیک ہیں۔ اس طرح کلامِ الٰہی کو بھی مساوات بین الادیان کا ترجمان قرار دے کر اسے سیکولرزم کی اس تعبیر کا حامی بنادیا گیا جس کے مطابق سارے ادیان یکساں احترام کے مستحق ہیں۔ نتیجتاً فریضۂ دعوت کو ملّی ایجنڈے میں اور کارِ دعوت کو ملّی سرگرمیوں میں جگہ ہی نہیں ملی...... اِلاّ ماشاء اللہ! فکری یلغار کا یہ مقصد پورا ہونے لگا کہ ملّت اسلامیہ اپنے دعوتی کردار سے محروم ہوجائے اور ملکی و عالمی منظرنامے پر کمزور و باطل ادیان کو قوی و توانا دین حق کی پیش رفت کا خطرہ و چیلنج باقی نہ رہ جائے۔

○ **اسلام کو تقسیم کرنے کی کوشش:** اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اسلام کی کتنی قسمیں ہیں اور مسلمانوں کے کون کون سے ''اسلامی زمرے'' ہیں تو ہر مسلمان اس سوال پر یا تو ہنس پڑے گا یا خفا ہوجائے گا۔ لیکن کمال ہے اس فکری یلغار کا جس نے سخت گیر اسلام اور روادار (لبرل) اسلام کی دو قسمیں تصنیف کیں۔ دین و شریعت پر عامل مسلمان بنیاد پرست، رجعت پسند، تاریک خیال قرار دیے گئے اور اسلام کو خود آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی کی خودساختہ غلط تعبیر و تشریح کے خنجر سے ذبح کرنے والے مسلمان پروگریسیو۔ اب یہی پروگریسیو اور روشن خیال طبقہ نیشنل پریس کے کالموں میں، نیز کانفرنسوں اور سیمی ناروں میں اسلام کی ترجمانی و نمایندگی کرتا ہے۔ اس فکری یلغار کے اثرات بد نے ایک خوفناک رخ یہ اختیار کیا ہے کہ ایسے لوگ بھی جو دین و شریعت کی جڑوں سے چمٹے ہوئے ہیں آہستہ خرامی کے ساتھ، لبرل اسلام کی طرف محوِ سفر ہو رہے ہیں۔ اب کم ہمت لوگوں کا ایک درمیانی زمرہ وجود میں آگیا ہے۔ انھیں قرآن و احادیث اور فقہ میں جو درک اور قرنِ اولیٰ کی اسلامی تاریخ کا جو علم حاصل ہے اسے دشمنانِ اسلام کی دی ہوئی لائن پر اسلام کو 'پروگریسیو' بنانے میں بروے کار لا رہے ہیں۔

○ **اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی کوشش:** فکری یلغار کے مذکورہ بالا اثرات نے اسلام کا اصل چہرہ ایسا گردآلود اور دھندلا بنادیا ہے کہ اس کے حقیقی چہرے سے ملّت کا سواد اعظم ایک اجنبیت اور غیر انسیت محسوس کرنے لگا ہے۔ اس صورت حال پر حضورؐ کی یہ پیشین گوئی، گویا صادق آنے لگی ہے: ''اسلام جب آیا، تو اجنبی تھا۔ ایک وقت آئے گا جب یہ پھر سے اجنبی بن جائے گا......'' یہی وجہ ہے کہ تحریکاتِ اسلامی، اسلام کا حقیقی چہرہ پیش کرنے کی وجہ

سے ہر جگہ خود افرادِ ملت کے ذریعے مطعون' معتوب و مغضوب ہیں۔ بڑا دل چسپ المیہ ہے کہ ایک طرف باطل قوتوں کی چیرہ دستیوں سے گلہ وشکوہ بھی ہے اور دوسری طرف تحریکاتِ اسلامی پر الزام واتہام' ان کی کردارکشی اور مخالفت ومزاحمت بھی۔

○ **تصورِ تعلیم پر ضرب:** فکری یلغار نے اسلام کے تصورِ علم پر کاری ضرب لگائی ہے' جس کے نتیجے میں مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعریف وتعبیر اور مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسی مناسبت سے نظریۂ تعلیم اور تعلیم یافتگی کا مقصدِ عین' خالص مادّہ پرستانہ بن کر رہ گیا ہے۔ اب ایسی باتیں سنانے والے بھی کم یاب ہیں اور سننے و ماننے والے بھی کم یاب' کہ ''علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است'' (وہ علم' جو حق کی طرف راہ نمائی نہ کرے' جہالت ہے)' اور ''اللہ سے کرے دور' وہ تعلیم بھی فتنہ''۔ لہٰذا بیش تر ملّی تعلیمی سرگرمیوں' ملت کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے کی تقریباً تمام تحریکوں اور تعلیمی کاروانوں کو اسی خدا بے زار اور دین بے زار نظریۂ تعلیم سے قوتِ محرکہ وتوانائی ملتی ہے۔ کبھی اسلام کے تئیں کچھ رعایت کا خیال آجاتا ہے تو طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ ...... کی حدیث اور سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کا حوالہ بھی دے دیا جاتا ہے لیکن بالآخر تان ٹوٹتی ہے کیریئر' روزگار' تموّل' دولت مندی' مادی خوش حالی' معاشی ترقی کے انھی اہداف پر جنھیں غیر اسلام نے متعین ومقرر کیا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ ہماری تعلیم یافتہ نسلوں کی کھیپ کی کھیپ مادّہ پرستوں کی بھیڑ میں گم ہوتی جارہی ہے اور دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتگی کا' یہ گویا ایک لازمہ سا بن گیا ہے کہ یا تو مدارس' اسلامی درسگاہوں اور دینی تعلیمی جامعات کی تحقیر کی جائے' یا ان کے نصاب تعلیم کو جدیدکاری کے نام پر یہ کہہ کر سیکولرائز کرنے کا غلغلہ بلند کیا جائے کہ ان تعلیمی اداروں کے فارغین کسی کام کے نہیں رہ جاتے اور بس مُلاّ' مولوی' امام اور مؤذن بن کر رہ جاتے ہیں جو جدید واعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی نگاہ میں گویا ایک حقیر' بے کار اور اپاہج طبقہ ہے۔

○ **معاشی تصورات پر زد:** مضبوط معیشت اور بہتر معاشی حالت کسی بھی قوم کے لیے ایک خیرِ عظیم کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن دیگر قوموں کے برعکس ملتِ اسلامیہ کی یہ امتیازی پوزیشن ہے کہ اس کی معیشت اسلامی عقائد و اخلاقیات سے وابستہ اور اسلامی پیمانہ ہاے ردّ وقبول سے مشروط ہے۔ کسب حلال کے ساتھ کمزور معاشی حالت بھی' کسب حرام کے ساتھ ملت میں

کروڑ پتیوں' ارب پتیوں کی بھیڑ لگ جانے سے بہر حال اور بدرجہا بہتر ہے۔ اس پس منظر کے پیشِ منظر میں ایک زبردست فکری یلغار ہے جس نے عوام و خواص کے بڑے حصے کو مذکورہ فرق کے تئیں غفلت و بے اعتنائی سکھائی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سودی قرض کے سرمایے سے صنعت کاری کی تدابیر بتائی جارہی ہیں۔ کوئی دانش ورسودی معیشت کو مباح بتارہا ہے تو کوئی پسندیدہ' اور کوئی ناگزیر۔ سودی معیشت و اقتصاد کے حق میں کتابوں کی تصنیف و اشاعت ہورہی ہے۔ قرآن اور احادیث کی سخت تنبیہ اور وعید سے بچنے کے لیے سود اور ربا میں فرق ثابت کیا جارہا ہے۔ دارالاسلام اور دارالکفر کی فرسودہ فقہی بحثیں زندہ کی جارہی ہیں۔ مسلمانانِ ہند پر خارجی اور داخلی' ہر دو سطح سے ان کی 'معاشی پس ماندگی' کے اعداد و شمار کی یورش ہے اور اس کے ساتھ' دولت مندی' اور انتہائی دولت مندی کی حرص و آز کی تیز و تند لہریں ہیں۔ اس مجموعی کیفیت کے درمیان زندگی کی صالح خداپرستانہ تعبیر کمزور پڑ رہی ہے اور اس کی جگہ مادہ پرستانہ تعبیر کو فروغ مل رہا ہے۔

○ **صارفیت کا فتنہ** : انڈسٹریلائزیشن کی غیر معمولی ترقی' صنعت وحرفت کی بے پناہ وسعت اور مصنوعات کے بے تھاہ سمندر سے ایک فکری سونامی کی زبردست لہریں اٹھ رہی ہیں جسے صارفیت (consumerism) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک خاموش اور غیر محسوس فکری یلغار ہے کہ انسان کو جتنا زیادہ سکون و آرام درکار ہو' مارکیٹ میں دستیاب اتنی ہی زیادہ مصنوعات خرید خرید کر اٹھا لائے اور اپنے گرد ان کے ڈھیر لگا دے۔ اس کی حقیقی ضرورت کیا ہے اور کتنی ہے' اس سے قطع نظر' خریداری کا فیصلہ اس بات پر ہو کہ اس کی قوتِ خرید کتنی ہے اور دکانوں میں' سوپر مارکیٹوں میں اور پلازاؤں میں کتنی اشیائے صَرف دستیاب ہیں' فیشن اور ڈیزائنر فیشن کے کتنے آئٹمز' کتنے اور کیسے ملبوسات' تکثیرِ حسن و جمال کے کیسے کیسے کاسمیٹکس' مکان کی زیبائش اور ڈرائنگ روم کی آرایش کی کتنی اشیا کاؤنٹروں' ہینگروں اور شوکیسوں سے دل و دماغ میں ہیجان بپا کر رہی ہیں۔ مسلمانوں کو اسراف اور بخل کے درمیان ایک معتدل و متوازن زندگی جینے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اسراف کرنے والے کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا گیا تھا۔ سادگی اور قناعت کی زندگی کے وعظ و تذکیر کے سلسلے جاری کیے گئے تھے۔ لیکن صنعت کاروں و سرمایہ داروں اور بڑے بڑے تجارتی اداروں کی طرف سے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے ہر وقت ہر آن ہونے

والی اشتہاری یلغار نے مسلمانوں کی بھی فکر و نظر کی چولیں ہلا کر رکھ دیں، اور ملت پر کنزیومرزم کا فتنہ پوری طرح مسلط ہو گیا۔ کوئی خوش نصیب گھرانہ ہی ہوگا جو اس سے محفوظ و مامون ہوگا۔

○ **تحدید آبادی کے تصور کی پذیرائی**: ملحدوں، ڈارون ازم پر ایمان رکھنے والوں اور مالتھس کے پرستاروں کی بات ہو، یا دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی، اقوامِ عالم میں یہ شرفِ امتیاز امتِ مسلمہ اور صرف امت مسلمہ کو حاصل ہے کہ یہ خدا، تخلیقِ عام اور تخلیق انسانی کے درمیان حقیقی تعلق کا ادراک رکھتی ہے اور بخوبی جانتی ہے کہ یہ اللہ کا منصوبۂ عظیم ہے کہ یہ زمین انسانی آبادی سے معمور بھی ہو اور اس آبادی کو قوانینِ فطرت کے تحت چیک اور کنٹرول بھی کیا جاتا رہے۔ ان دونوں پہلوؤں سے اللہ خلاقِ اعظم نے انسان کی سرشت اور نفس کے اندر سے لے کر خارج میں روے زمین، نیز زمین کے اندر و باہر کی لامحدود وسعتوں تک اتنے اہتمامات و انتظامات کیے ہیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ اس آفاقی و بدیہی حقیقت کے علی الرغم جب امت مسلمہ پر یہ فکری یلغار ہوئی کہ چھوٹا کنبہ خوش حالی کی ضمانت اور قلیل آبادی ملک کی ترقی کی ضمانت ہے تو کچھ خوش نصیب نفوس کو چھوڑ کر اکثریت کا ...... اور بالخصوص مسلم دانش وروں کا، اللہ کی رزاقیت پر یقین واعتماد پانی کے بلبلے کی طرح ٹوٹ گیا۔ یہ فرق (قصداً یا بلا قصد) نظرانداز کیا جانے لگا کہ خالص انفرادی اور ذاتی سطح پر شوہر، بیوی کے لیے اس بات کا جواز کہ وہ زچہ بچہ (ماں اور نومولود) کی صحت و زندگی سے متعلق کسی ناگزیر کیفیت میں (نہ کہ معاشی بنیاد پر) ضبطِ تولید کا فیصلہ کریں، ایک الگ بات ہے جس کی اجازت اسلام دیتا ہے، جب کہ مسلم قومی پالیسی کے طور پر ضبط ولادت کے حق میں، اس کی افادیت کے دلائل دینا، عامۃ المسلمین کو اس کی ترغیب دینا، مسلم سماج میں اس کے لیے ذہنی ہمواری پیدا کرنا، حتیٰ کہ اس کے مستحب و مستحسن ہونے کی تحریک چلانا بالکل دوسری بات ہے جو اسلامی فکر سے صریح انحراف اور بغاوت کے مترادف ہے۔

کبھی یہ لغو دلیل دی گئی کہ کچھ مسلم ملکوں (مثلاً مصر، پاکستان وغیرہ) میں حکومتی سطح سے تحدیدِ نسل نافذ ہے اور اسے وہاں کے علما نے 'شرعی' جواز فراہم کر دیا ہے، جب کہ یہ بات غیر معروف نہیں ہے کہ عباسی دورِ خلافت سے لے کر اب تک ہمیشہ ایسے علما موجود رہے ہیں جنھوں نے حکمرانوں کے سخت دباؤ میں آ کر شریعت میں چور دروازے بھی نکالے ہیں۔ مزید یہ کہ موجودہ

مسلم ممالک کے دین بیزار حکمرانوں کے سیکولر قوانین شرعی حجت، یا نظیر کا درجہ نہیں رکھتے۔

کثرتِ آبادی کو غربت و افلاس، ناخواندگی و پس ماندگی اور آبادیوں میں جرائم کی پرورش و فروغ، نیز ملک کی ترقی میں حارج قرار دینے کی سازش تو مغرب نے مشرق کے لیے کی جس کے مقاصد اور تفصیلات بہت طویل ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اتنے کھلے جھوٹ، فریب اور فراڈ پر ہمارے بہت سارے نام نہاد 'اسلامی' دانش وروں کی بھی آنکھیں، اور عقل، فواد و ضمیر کے دروازے بند ہیں۔ یہ فکری یلغار اتنی شدید اور اس کے اثرات و نتائج اتنے گہرے اور وسیع ہیں کہ کسی مختصر تحریر میں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

○ **دہشت گردی کا الزام اور تاویلیں:** ۱۵، ۲۰ سال قبل تک دنیا کے کئی ملکوں اور خطوں میں مسلمان، دشمن طاقتوں کے ظلم و استبداد اور استعمار کے خلاف وطنی و قومی جذبے سے حربی مزاحمت کرتے رہے تھے۔ پھر ان مزاحمتی تحریکات کو اسلامی ڈائمنشن دیا گیا اور فطری طور پر اس مزاحمت کو جہاد سے موسوم کیا گیا۔ پہلے دشمن طاقتیں اس مزاحمت کو 'دہشت گردی' کہا کرتی تھیں یا 'مسلم دہشت گردی'۔ اب اسے 'اسلامی دہشت گردی' یا 'جہادی دہشت گردی' کا نام دے دیا گیا۔ یہ اصطلاحات مسلم انٹلکچوئلز، زعما اور علما کے اعصاب پر فکری یلغار بن کر حملہ آور ہوئیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اہلِ علم و دانش نے بیش تر، اسے سچ مچ دہشت گردی ہی باور کرلیا، خواہ دل سے، خواہ زبردست دباؤ کے تحت۔ وہ اسلام کی مدافعت کے نام پر، لغوی معنوں میں لفظ جہاد کی تعریف تشریح و تعبیر میں لگ گئے اور اس کے اصطلاحی مفہوم کو دبا دیا، چھپایا جانے لگا یا اس کی ایسی تاویلات کی جانے لگیں جو دشمن طاقتوں کو پسند آجائیں۔ اس کے لیے یہ بھی کیا گیا کہ بارہ تیرہ صدی قبل مرتب کی گئی ایسی شرائط کی تکمیل حقیقی اسلامی جہاد قرار پانے کے لیے لازم بتائی گئی جو اول تو قرآن و احادیث میں منصوص نہیں ہیں اور دوسرے، موجودہ دور اور حالات و کوائف میں ان کی کوئی معنویت (relevance) ہی باقی نہیں رہی ہے۔ اس فکری یلغار نے انھیں اتنا مرعوب اور خوف زدہ کردیا کہ بقول مولانا مودودیؒ، اسلام کے یہ وکلا اسلامی نقطۂ نظر کو ایسے رنگ میں پیش کرنے لگے جو دشمنانِ اسلام کو پسند آجائے۔ مولانا مودودیؒ جیسی جرأت اور حق گوئی...... اتنے بڑے عالمِ اسلام میں کہیں نظر نہ آئی۔ مولانا نے لکھا تھا کہ ''اسلام کو اسلام کے اپنے رنگ میں

پیش کر دیجیے۔ لوگوں کو پسند آجائے تو بہت اچھا' نہ پسند آئے تو کوئی پروا نہیں۔ انبیا علیہم السلام اور اولوالعزم لوگوں کا اسوہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے"۔ ع

کون سنتا ہے فغانِ درویش!

دہشت گردی کی وہ قسم جس میں بے قصور عام شہری مارے جائیں' سب سے زیادہ مسلمانوں کے ذریعے مذمت کی مستحق ہے خواہ مجرم کوئی بھی ہو' بلکہ اگر مجرم مسلمان ہو تو اس کی اور زیادہ مذمت اور سخت سزا کا مطالبہ مسلمانوں کو' دیگر قوموں سے بڑھ کر کرنا چاہیے۔ لیکن دشمنانِ اسلام کی مذکورہ بالا حکمت عملی اور فکری یلغار سے متاثر' مسلم دانش ور' صحافی' علما اور قائدین کی اکثریت نے ایک یکسر غلط رویہ اختیار کیا۔ وہ کوئی حادثہ ہونے کے فوراً بعد مجرم کی مذمت اور اس کے حوالے سے اسلام کا دفاع اس طرح کرنے میں لگ گئے گویا انھوں نے تفتیش کر کے یہ یقین کر لیا ہو کہ حادثے کے مجرم مسلمان ہی ہیں۔ حالانکہ نہ عالمی سطح پر' اور نہ ملکی سطح پر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات رہ گئی ہے کہ بیش تر حادثوں میں کچھ دیگر مسلم دشمن عناصر' تنظیمیں اور ایجنسیاں ملوث ہوتی ہیں اور حادثے کے بعد آناً فاناً مسلمانوں کے نام سے میڈیا اور ملک گونج اٹھتا ہے۔ اس رویے کا اثر یہ ہوا کہ دہشت گردی کے حوالے سے پوری ملت کی' اغیار کی نظروں میں مجرمانہ تصویر بنانے اور اسے احساسِ جرم میں مبتلا کر دینے میں خود ہم ایک بڑا رول ادا کرنے لگے اور کسی بھی مسلمان کو' کسی بھی جگہ اور ہر حادثے کے بعد پکڑ لیے جانے کی فضا ہموار کر دی۔ آج کل پوری دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

○ **عائلی زندگی اور خاندان کی توڑ پھوڑ:** ازدواجی اور عائلی زندگی' معاشرہ اور تہذیب و تمدن کی عمارت کی بنیاد کے پتھر ہیں۔ یہ پتھر غیر مسلم معاشروں میں کمزور ہو رہے' ٹوٹ رہے یا اپنی جگہ سے کھسک رہے ہیں۔ لہٰذا پوری عمارت یا تو شگاف زدہ ہو رہی ہے یا منہدم ہو رہی ہے۔ اسلام کا فیض ہے کہ مسلم معاشرہ اب تک اس تخریب سے محفوظ ہے۔ دشمنانِ اسلام کو' ظاہر ہے کہ یہ بات کیوں کر گوارا ہوتی ...... خصوصاً جب مسلم معاشرے کے اس امتیاز کی کشش غیر مسلم معاشروں کے مردوں اور عورتوں اور نوجوانوں کو اسلام کی طرف کھینچنے لگی ہو۔ لہٰذا اس محاذ پر طلاق اور تعدد ازدواج کے بارے میں حقوق نسواں اور مساوات مرد و زن کے نہایت خوب صورت ناموں سے ایک زبردست فکری یلغار کی گئی' جس سے اہل فکر و نظر' اہل علم و تفقہ' اہل دانش و بینش کے......

حتی کہ اہل دین و تقویٰ کے بھی، جو شرعی قوانین کے محافظ و نگراں تھے ...... دینی اعصاب چرمرا اٹھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شرعی قوانین، ناکمل، ناکافی اور ناقص نظر آنے لگے۔ شریعتِ کاملہ و مطہرہ کی شرائطِ نکاح سے زائد اشتراط فی النکاح کا نفاذ ضروری قرار پایا۔ شوہر کے لیے عقد ثانی کو شریعت پر مستزاد سخت شرط کے ساتھ مشروط کیا جانے لگا۔ شریعت کی روح اور شرعی قوانین میں مضمر عظیم حکمتیں ناقابلِ التفات ٹھیریں۔ فکری یلغار کے دباؤ کی شدت میں اس بدیہی حقیقت کا خیال بھی نہ آیا کہ یہ بظاہر دونوں نیک کام، عملاً مسلم ازواج اور خاندانوں پر...... اور بالآخر مسلم سماج پر...... وہی راستہ کھول دیں گے جو کچھ دور جا کر غیر مسلم معاشروں اور گھرانوں کو تباہی سے دوچار کرتے رہے ہیں اور اس تباہی کے مناظر ہم معاصر تہذیب میں شب و روز کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

مسلم عورت، خصوصی ہدف

مسلم سماج میں کچھ عورتیں، کچھ مخصوص امور میں سچ مچ مظلوم و مقہور ہیں۔ تاہم، بحیثیت مجموعی مسلم عورت دنیا بھر کی عورتوں میں سب سے زیادہ اور محسوس طور پر، باعزت، باعصمت، باوقار، محفوظ و مامون اور مطمئن ہے۔ اس کی یہ عمومی پوزیشن، نیز اس کی وہ کشش جس کی تحریک پر غیر مسلم خواتین دائرۂ اسلام میں مسلسل کھنچتی چلی آرہی ہیں، دشمنانِ اسلام کو فطری طور پر ایک آنکھ نہیں بھا سکتی۔ اس پوزیشن کی بقا اور اس کی بحالی میں وہ شہوانیت، اباحیت، فحاشی، بے لگام جنسی لذتیت اور جنسی انارکی میں لت پت اپنی بزعم خویش عظیم و بے مثال و قابل صد فخر تہذیب کی ٹوٹ پھوٹ اور موت کا پیش منظر دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے عورت کے تعلق سے اسلامی اصول، اخلاقیات اور قوانین کے خلاف زبردست منصوبہ بندی کر کے، نقشۂ کار بنا کر، طریقۂ کار متعین کر کے اسلام پر حملے اور ملّت اسلامیہ پر فکری یلغار کے دہانے کھول دیے۔ معلوم ہوا کہ ایسے بے شمار موجود ہیں جو دشمنوں کی سازشوں کو یا تو سمجھنے کی صلاحیت اور ظرف نہیں رکھتے، یا قصداً سمجھنا نہیں چاہتے، یا دشمنوں سے اتنے زیادہ مرعوب ہیں کہ اس کمزوری کا مداوا وہ مسلم سماج اور اسلامی تہذیب کو تبدیل کر دینے میں تلاش کرتے ہیں۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دانش ور حضرات مسلم سماج میں عورت کی حقیقی اور واقعی مجبوری، محرومی

اور مظلومی کی نشان دہی کر کے (اسلامی تعلیمات سے دوری، مسلمانوں کی انفرادی بے عملی و بدعملی، اور مسلم معاشرے کی بے اعتدالی، بے رحمی و زیادتی کی اصلاح کے لیے) کتابیں، مقالے اور تحقیقی مقالے لکھتے۔ مثلاً: عوام و خواص اور ناصحین و مصلحین کی ہر سطح پر پیوست جہیز کی وبا مسلم عورت کو پریشان کر رہی ہے۔ سامانِ جہیز کی فراہمی اور بارات کی تواضع کا بوجھ اس کے والدین اور اہلِ خانہ کا استحصال کر رہا ہے۔ اسے مہر ادا نہ کرنے کے حیلے بہانے وضع کر لیے گئے ہیں۔ اسے ترکہ سے محروم رکھنا پورے اطمینان اور شان سے جاری ہے۔ جہیز کو وراثت میں حصہ کا متبادل بنا دینا اس پر مستزاد ہے۔ شوہر اگر بیوی کو معلق کر دے تو بیوی کا پرسانِ حال کوئی نہیں۔ شوہر بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھاگ جائے اور بیوی دَر دَر کی ٹھوکریں کھائے تو کھاتی رہے۔ عورت بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو اس کا دوسرا نکاح ہونا ویسا ہی معیوب و مشکل ہے جیسا ہندو سماج میں۔ اس کے بھائی، باپ کی پوری جایداد (وراثت) ہڑپ کر کے بیٹھے رہیں گے اور پھر بھی سماج میں سرخ رو رہیں گے۔ وہ امیر گھرانوں میں کام کاج کر کے، محنت مزدوری کر کے، ملازمہ و خادمہ بن کر اپنا اور بچوں کا پیٹ پالے گی اور نہ بھائیوں بھاوجوں اور رشتہ داروں کو رحم آئے گا نہ سماج اور اس کے مصلحین کو...... الا ماشاء اللہ۔

فکری یلغار کے مارے ہوئے دانش ور اور اہل مقالہ جات کو مسلم سماج میں عورت ٹھیک وہیں وہیں مظلوم و مقہور نظر آنے لگی جن گوشوں، میدانوں اور مقامات کی نشان دہی شریعتِ اسلامی کے نقص کے طور پر دشمنوں نے کی ہو۔ چند پہلوؤں کا ذیل میں تذکرہ کیا جا رہا ہے:

○ **تعلیم نسواں کی جدید تعبیر**: تعلیم نسواں کی اہمیت، افادیت اور ناگزیریت کی توجیہہ کے اسلامی پیمانے بدل رہے ہیں۔ انھیں اب غالب طور پر مادّی منفعت اور معاشی ترقی و خوش حالی کا رخ دیا جا رہا ہے۔ بات شروع کرتے وقت اگر اسلام کا خیال بھی ملحوظ رہا تو اس حدیث کا تذکرہ بھی کر دیا جائے گا کہ علم حاصل کرنا مرد اور عورت سب پر فرض ہے لیکن بات پوری ہوگی تو یوں کہ عورت کو خود کفیل اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی اہل بننا ضروری ہے۔ اس کی تعلیم کیریر کے لیے ہونی چاہیے۔ یہ ٹھیک وہی ایجنڈا ہے جسے اسلام کے بالمقابل، دشمنانِ اسلام نے ہمارے دانش وروں کو سجھایا ہے۔

○ **'گھر، چہار دیواری کی قید'**: عورت کے اپنے اصل دائرۂ کار 'گھر' کو جس میں

وہ آرام و سکون سے ہے، محفوظ ہے، عزت و آبرو سے ہے اور نئی نسل کی پرورش، اٹھان و تربیت کا اہم و عظیم فریضہ انجام دے رہی ہے، 'گھر کی چہار دیواری' کہا جانے لگا۔ پھر لَے مزید اونچی ہوئی تو اسے 'گھر کی چہار دیواری کی قید' بھی کہا جانے لگا۔ یہ 'اپنے گھروں میں ٹکی رہو' کی قرآنی تعلیم کی تضحیک کے سوا اور کیا ہے؟

○ **'بچے جننے کی مشین'**: مسلم معاشرے پر عورت کے حوالے سے یہ طنز کیا جانے لگا کہ اس میں وہ ایسی حقیر مخلوق بن کر رہ گئی ہے جیسے وہ 'بچے جننے کی مشین' ہو۔ اس طرح فکری یلغار کے ماروں نے اس کے مقدس و عظیم منصبِ مادری کی تذلیل کرنے میں بھی تکلف نہ کیا۔ ان کا خیال ہے کہ پیسہ کمانے کی مشین اور گھر سے باہر کی وسیع دنیا میں بھوکی پیاسی نگاہوں کو لذتِ دید فراہم کرنے والی مشین کو بچہ جننے کی مشین محض بن کر نہیں رہنا چاہیے۔

○ **گھر کی سربراہی کا مسئلہ**: ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اجتماعیت کو، خواہ وہ فیملی ہو یا بڑے بڑے ادارے، حسنِ انتظام اور ڈسپلن عطا کرنے کے لیے ایک 'منتظم'، ذمہ دار اور سربراہ کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے۔ فیملی کے لیے اس سربراہ کو قرآن نے 'قوام' کہا ہے۔ دوسرے معاشروں میں قوام کا منصب جنسی مساوات کے نام پر یا تو ختم ہو چکا ہے یا آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اسی مناسبت سے گھرانے بکھر رہے ہیں اور فیملیاں کمزور ہو رہی ہیں۔ یہ صریح زیاں منصۂ شہود پر ہونے کے باوجود کچھ مسلم دانش ور، قرآن کو خاطر میں نہ لاکر مرد کی قوام کی حیثیت کو مشکوک بنا رہے ہیں یا چیلنج کر رہے ہیں اور فنی مکاری کو بروے کار لاکر، قرآن کے تصورِ مساواتِ مرد و زن کی تاویل کرنے سے نہیں چوکتے۔

○ **معاشی آزادی پر زور**: عورت کی تخلیقی ہیئت اور مرد کے مقابلے میں اس کی مخصوص امتیازی نفسیاتی، جذباتی، اعصابی ساخت، نیز اس کے مخصوص وظیفہ ہاے حیات کی مناسبت سے اسلام نے اس پر (استثنائی و انفرادی حالات کو چھوڑ کر) کسبِ معاش اور مشقت طلب کاموں کا بار نہیں رکھا تھا۔ لیکن اب اس پر اس دلیل کے ساتھ ان ذمہ داریوں اور مشقتوں کا بار رکھا جانے لگا ہے کہ اسلام نے اسے شوہر کا غلام نہیں بنایا ہے۔ اسے آزادی اور کسبِ معاش کا حق حاصل ہے۔ اس بات کو 'ویمن ایمپاورمنٹ' کے گمراہ کن لیکن خوشنما لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا جا رہا ہے۔

مضحکہ خیز اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ حضرتِ خدیجہؓ کو نظیر بنا کر اس فتنے کو تقدس بھی بہم پہنچا دیا گیا۔

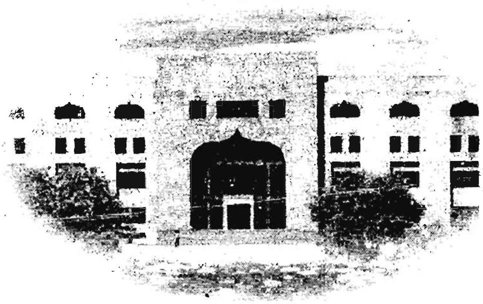
○ **ملازمت اور پردے کی قید:** کیریر کی خاطر تعلیم کے لیے، اور تکمیل تعلیم کے بعد ملازمت کرنے کے لیے جن متعدد اخلاقی اور تہذیبی قدروں کو توڑنا لازم سمجھا گیا، ان میں پردہ وحجاب سر فہرست تھا۔ لہٰذا پردے کے خلاف دلائل کا...... حتیٰ کہ قرآن، احادیث اور فقہ سے استدلال کا بھی انبار لگا دیا گیا۔ آج کل جو عورتیں جینز اور بنیان پہنتی ہیں ان کے 'کیریئر' میں چار چاند لگ جاتے ہیں، پس مردانہ لباس کی کچھ 'اسلامی' گنجایش پیدا کرنے کے لیے قرنِ اول کی اسلامی تاریخ سے ایک صحابیہؓ کی نظیر بھی ڈھونڈ نکالی گئی جنھوں نے دورانِ جنگ 'مردانہ' لباس زیب تن کیا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے تک یہ سارے کمالات الحاد زدہ، دین بیزار، نام نہاد، روشن خیال، آزاد رو، لبرل اور پروگریسیو مسلمان ہی کیا کرتے تھے۔ اب مؤقر دینی جامعات کے فارغین بھی میدان میں اتر آئے ہیں۔ ایسی ہی ہے یہ عظیم فکری یلغار اور ایسے ہی غیر معمولی ہیں اس کے اثرات۔ اس یلغار پر اربوں ڈالر اور غیر معمولی محنت صرف کی جارہی ہے۔ فیمنسٹ تحریک کی عالم گیر تنظیمات ——— جن کے منصوبوں، عزائم، حکمت عملی اور سرگرمیوں سے ملّت کا بڑا طبقہ ناواقف یا غافل ہے ——— اس یلغار میں کارگر اسلحے کا کام کر رہی ہیں۔

یہ ہیں موجودہ فکری یلغار کی طویل اور شاخ در شاخ داستان کے چند شذرات اور اس کے اثرات کی چند جھلکیاں۔ اُمت مسلمہ کو ایک بڑا خطرہ اور چیلنج درپیش ہے، تاہم مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی تحریکات کے ہاتھوں بحمداللہ فکرِ اسلامی کا احیا ہو رہا ہے اور اس کی پیش رفت بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ زیادہ منظم اور مربوط ہو، اور اس پر زیادہ وسائل صرف کیے جائیں۔ (بہ شکریہ زندگی نو، دہلی، اگست ۲۰۰۶ء)

68

اسلام آباد میں خواتین کی تعلیم کا بہترین ادارہ



WISH

- اپنی عمارت
- اسلامی ماحول
- جدید نصاب
- 50 اساتذہ، 11 پی ایچ ڈی
- زلزلہ زدگان کیلئے 20 وظائف

لائق اور مستحق بچیوں کیلئے رعایت

بہترین ہاسٹل ۔ اپنی ٹرانسپورٹ

BACHELOR'S PROGRAMS

- **BA / B.Sc**
  2 - Years Program
- **BBA** • **BSCS**
  4 - Years Program
- **BAED** • **BSED**
  3 - Years Professional Degree
  Five Talent Scholarships available
- **BAIS** (BA. Islamic Studies)
  3 years Honors Program
  Ten Talent Scholarships

APPLY BEFORE **08 SEP**
ENTRY TEST **11 SEP**

MASTER'S PROGRAMS

- **MBA**
- **MSED**
- **MAED**
- **MAIS**
- **MA Eng**

APPLY BEFORE **22 SEP**
ENTRY TEST **23 SEP**

Women's Institute of Science and Humanities

Affiliated with "Riphah International University Islamabad"

H-8/2, Islamabad. Tel: **051-8091266**,4432538/9

پاکستان میں انصاف اور عدلیہ

اعتماد کا بحران‘ بحران سے نکلنے کا راستہ

عبدالغفار ○

برعظیم پاک و ہند پر قبضے کے فوراً بعد انگریزوں نے وسیع پیمانے پر قانون سازی کا کام کیا اور متعدد بنیادی قوانین وضع کیے۔ عدالتی کارروائیوں کو ضبط میں لانے کے لیے ضابطۂ دیوانی اور ضابطۂ فوجداری مرتب کر کے نافذ کر دیے گئے۔ عدالتوں کی اعانت کے لیے برعظیم میں پہلی مرتبہ پیشۂ قانون وجود میں لایا گیا۔ انگریز چاہتے تھے کہ وہ ایسا نظام وضع کریں جس سے ان کی حکومت کی بنیادیں مستحکم ہوسکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان کی اپنی زبان اور اپنے قوانین ہی موزوں ثابت ہوسکتے تھے‘ لہٰذا انگریزوں نے اولین فرصت میں نئے نظام کی قیام کی کوششیں تیز کر دیں۔

مطالعے اور تجزیے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی دور کا نظامِ عدل پیچیدہ اور مہنگا ہے‘ نالشوں میں اضافے کا باعث ہے‘ مقدمہ بازی کے لامتناہی سلسلے کو متحرک رکھنے میں معاونت کرتا ہے اور پھر یہ نظام انصاف مہیا کرنے میں اتنی تاخیر روا رکھتا ہے کہ مقدمہ بازی ختم نہیں ہوتی مگر نالش کنندگان کی زندگیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد جس ادارے کی اصلاح کی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ فکر کرنی چاہیے تھی وہ عدلیہ کا ادارہ ہے۔ لیکن بوجوہ آج ملک میں عام آدمی کے لیے انصاف کا

○ لیکچرار اسلامیات‘ گیریژن ڈگری کالج‘ لاہور

حصول سب سے مشکل بن گیا ہے۔ پولیس کی بدعنوانی اپنی جگہ، لیکن عدلیہ کا ادارہ انصاف فراہم کرنے اور اپنے آپ کو مفادات، بااثر عناصر کے دباؤ اور خود حکومت وقت کی دراندازیوں سے بالا رکھ کر اصلاح احوال کے لیے جو کردار ادا کرسکتا ہے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روز بروز عوام کا اعتماد پورے نظامِ عدل پر، نچلی سطح سے لے کر اعلیٰ ترین سطح تک بری طرح مجروح ہوا ہے۔ اس ضمن میں قوم جن مسائل سے دوچار ہے ان میں سے اہم ترین یہ ہیں:

اوّلاً یہ کہ قوانین کی تو بھرمار ہے مگر قانون کا احترام عنقا ہے۔ نافذالعمل قوانین کی اکثریت سامراجی دور کا ورثہ ہے اور آزادی کے حصول کے بعد طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان قوانین میں آزادی کے تقاضوں اور اسلامی قانون و روایات سے ہم آہنگی کے حصول کے لیے کوئی ہمہ گیر تبدیلی نہیں کی گئی۔ دسیوں قانونی کمیشن بنے ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل اور اعلیٰ عدالتی کمیشن نے سفارشات پیش کی ہیں، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ حالانکہ ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت بنیادی حقوق کے نقطۂ نظر سے ملک کے قوانین کی اصلاح دو سال کے اندر، اور اسلامی احکام و قوانین کے اعتبار سے سات سال کے اندر مکمل ہو جانا چاہیے تھی۔

دوسری بنیادی چیز ہر سطح پر عدلیہ میں ججوں کے انتخاب، ان کی تربیت اور احتساب کے نظام کا غیرمؤثر ہونا ہے۔ ججوں کے انتخاب میں دو ہی بنیادیں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں، ایک قابلیت اور دوسری دیانت۔ دوسرے شعبوں کی طرح عدلیہ میں بھی تقرر کا نظام نہایت ناقص، سیاسی اور دوسری مصلحتوں کے تابع ہے جس کے نتیجے میں ہر سطح پر عدلیہ میں ایسے عناصر بھی در آئے ہیں جن کی صلاحیت اور دیانت دونوں شک و شبہے سے بالا نہیں۔ عدلیہ کو جس تربیتی نظام اور جس نظامِ احتساب کی ضرورت ہے وہ سخت غیرمؤثر ہے۔ دستور نے اعلیٰ عدالتوں کے لیے تقرری کا جو نظام تجویز کیا ہے اس پر بھی نظرثانی کی ضرورت ہے۔

○ **فوری مجوزہ اقدامات:** حالیہ تجربات اور دنیا کے دوسرے ممالک کے اقدامات کی روشنی میں جن چیزوں کی فوری ضرورت ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- عدلیہ کو مکمل طور پر انتظامیہ سے آزاد کیا جائے۔ اس سلسلے میں طے شدہ پالیسیوں پر مکمل طور پر عمل ہونا چاہیے جس میں مرکزی وزارتِ قانون میں ججوں کا بطور سیکرٹری اور صوبوں کے

چیف جسٹس صاحبان کا بطور قائم مقام گورنر تقرر کو ختم کرنا شامل ہونا چاہیے۔

۲- ججوں کے تقرر کے لیے دستوری ترمیم کے ذریعے بالکل آزاد ایک ادارہ نیشنل جوڈیشل کمیشن قائم کیا جائے جو مرکز اور صوبوں کی سطح پر ججوں کے تقرر کے لیے صدرِمملکت کو ایک پینل کی سفارش کرے اور صدر اسی پینل میں سے تقرر کرنے کا پابند ہو۔

۳- ججوں کی تعداد میں بھی ضرورت کے مطابق اضافے کی ضرورت ہے۔ اس وقت ملک میں مقدمات کی بھرمار ہے اور پورے ملک میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد مقدمات جن میں سے ۵ ہزار سے زائد سزاے موت کے مقدمات ہیں، زیرسماعت ہیں۔ انصاف میں تاخیر، انصاف سے محرومی کی ایک شکل ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں جن میں ججوں کی تعداد میں کمی، ججوں کی آسامیوں کا بلاجواز خالی رکھنا (اس وقت اعلیٰ عدالتوں میں مجموعی طور پر ۲۶ سیٹیں خالی ہیں۔ سپریم کورٹ میں ۴، لاہور ہائی کورٹ میں ۱۲، سندھ میں ۶، پشاور میں ۲، اور بلوچستان میں ۱۲) وکیلوں کا بار بار مقدمات کی سماعت ملتوی کرانا، عدالت کے انتظامی نظام میں کرپشن اور ناقص کارکردگی، ججوں کی کارکردگی کے جائزے اور احتساب کے نظام کی کمزوریاں قابلِ ذکر ہیں۔ دنیا بھر میں قاعدہ ہے کہ ایک مقدمہ جب ضروری تفتیش مکمل ہونے کے بعد شروع ہوجاتا ہے تو پھر اسے فیصلے تک تسلسل سے جاری رکھا جاتا ہے۔ مقدمات کے فیصلے میں تاخیر کی ذمہ داری عدالت، پولیس، وکلا اور عوام سب پر آتی ہے اور اس کے مؤثر تدارک کی ضرورت ہے۔

۴- ججوں کی مدت ملازمت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد مختلف بامعاوضہ ذمہ داریوں کے لیے ان کے دستیاب ہونے کے بھی اچھے نتائج سامنے نہیں آتے ہیں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ ریٹائرمنٹ کی عمر بڑھائی جائے، پنشن میں اتنا اضافہ ہو کہ ان کو ملازمت کی حاجت نہ رہے اور ان کی صلاحیتوں سے صرف تعلیم و تحقیق اور نیم عدالتی نوعیت کے کاموں میں فائدہ اٹھایا جائے، جس کی تنخواہ نہ ہو بلکہ ضروری سہولیات فراہم کی جائیں۔

۵- ہر سطح پر ججوں کے تقرر، ترقی اور احتساب کا نظام قائم کیا جائے۔

۶- ہر سطح پر ججوں کے لیے تربیت، تحقیق اور کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے ضروری انتظامات کیے جائیں۔

۷- عدلیہ سے متعلق افراد کو خود بھی اپنے احتساب کی فکر کرنی چاہیے۔ ماضی میں جج حضرات میں سے کچھ نے جس طرح قانون اور عدل پر سیاسی اثرات کو قبول کیا' وہ عدلیہ پر عوام کے اعتماد کو مجروح کرنے کا ذریعہ بنا ہے۔ جج حضرات جس طرح سیاسی اور سماجی محفلوں میں شریک ہو رہے ہیں' اس سے ان کی غیر جانب داری کا تاثر مجروح ہو رہا ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ جس طرح کا سیاسی کردار ادا کر رہے ہیں وہ ان کے ماقبل کے دور کے بارے میں بھی لوگوں کے اعتماد پر اثرانداز ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں آداب و روایات کی پاس داری کی ذمہ داری خود عدلیہ پر ہے تاکہ اس کا کردار ہر طرح کی انگشت نمائی سے بالا رہے۔

پاکستان کے دستور کے تحت عدلیہ کی ذمہ داری صرف قانون کی حفاظت نہیں بلکہ دستور کی اطاعت اور حقوق انسانی کے سلسلے میں عوام کے حقوق کا تحفظ بھی ہے۔ اس پس منظر میں عدلیہ کا ہر قسم کی سیاسی جانب داری سے پاک ہونا' حکومت کے اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور دیانت اور ذہانت کے اعلیٰ ترین معیارات پر پورا اترنا ازبس ضروری ہے۔

○ **فوری اور بلا تاخیر انصاف کا حصول:** آج پورے ملک میں ایک واویلا ہے کہ انصاف میں سخت تاخیر ہو رہی ہے اور انصاف کا کھلے بندوں خون ہو رہا ہے۔ انصاف میں تاخیر جسدِ قومی میں ناسور کی طرح برابر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور ہمارے سارے عدالتی نظام کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا اور بے اعتبار کر رہا ہے۔ لہٰذا حکومت کا فریضہ محض قوانین وضع کرنے اور عدالتی کارروائیوں کے ضوابط مقرر کر دینے سے پورا نہیں ہوتا' بلکہ اس کو وقتاً فوقتاً یہ بھی جائزہ لینا چاہیے کہ لوگوں کو جلد انصاف مہیا ہو رہا ہے یا نہیں' اگر نہیں تو اس کی وجوہ کا پتا لگا کر فوراً تدارک کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں دیگر اقدامات کے ساتھ ساتھ عدالتی معائنے کے ادارے کو زیادہ سے زیادہ فعال اور سرگرم ہونا چاہیے اور اعلیٰ عدالتوں کو مستقلاً معائنہ کرتے رہنا چاہیے۔ اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں عدالتوں کے معائنے کا نظام نہایت ہی ناقص ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عدالت عالیہ کا کم از کم ایک جج مستقل طور پر ضروری عملے کے ساتھ اس کام پر مامور کیا جائے کہ وہ اطلاع اور بغیر اطلاع ماتحت عدالتوں کے معائنے میں مسلسل مصروف رہے۔ اس کے علاوہ ڈسٹرکٹ و سیشن جج ضلع کی ماتحت عدالتوں کے معائنے پر مامور ہوں۔ اس

طرح ہر عدالت کا سال میں متعدد بار معائنے کا انتظام ہو جانے سے عدالتی کارکردگی بہتر ہوگی۔

○ **ججوں کی تعداد میں اضافہ:** حصولِ انصاف میں تاخیر کا ایک سبب عدالتوں میں ججوں کی کمی ہے۔ ہر جج کے پاس اتنے مقدمات ہوتے ہیں کہ وہ سوائے آیندہ کی پیشی دینے کے کوئی قابلِ ذکر کارروائی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکامِ عدالت کی تعداد میں مناسب اضافہ کیا جائے کیونکہ ان کی کمی کے سبب مقدمات کا تصفیہ ایک طویل اور ہمت شکن عمل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے کئی صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

۱- مناسب تعداد میں تقرری کا معیار میرٹ اور اعلیٰ کردار ہونا چاہیے، مگر عمر کی قید پر زیادہ سختی سے عمل نہیں ہونا چاہیے۔

۲- بعض اوقات عدالتیں مدتوں خالی پڑی رہتی ہیں، اس کا سد باب کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایڈہاک جج یا مجسٹریٹ مقرر کیے جانے کے لیے وکلا کی ایک فہرست مرتب کی جاسکتی ہے جو حکامِ عدالت کی رخصت یا ترقی کی صورت میں عارضی طور پر عدلیہ میں تعینات کیے جائیں۔ مستقل آسامیوں کے پُر کرنے میں بھی انھیں ترجیح دی جائے۔ اس طرح ان کا تجربہ بڑھے گا، اور ان کے کردار اور کارکردگی کا امتحان بھی ہوتا رہے گا، نیز یہ کہ کسی عدالت کا کام بھی نہیں رُکے گا۔

○ **چھوٹی عدالتوں کا وقار بلند کیا جائے:** چھوٹی عدالتوں میں حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ مناسب کورٹ رومز نہیں ہیں، ضروری سہولتیں حاصل نہیں۔ مزید یہ کہ ماتحت عدالتوں کے ساتھ ریاستی ڈھانچے کا سلوک کچھ ہمت افزا نہیں ہے۔ انھیں اپنے ہم رتبہ افسران، جیسے مال اور سیکرٹریٹ افسران کے مقابلے میں امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے نچلی عدالتوں میں اچھے کارگزار اور دیانت دار اشخاص آنے سے گریز کرتے ہیں۔ جو لوگ مامور ہیں وہ اکثر اوقات بددیانتی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ان سے کم اہلیت والے وکلا ان سے زیادہ خوش حال ہیں۔ اس لیے اچھے وکلا عدالتوں کی سربراہی کے لیے آگے نہیں آتے۔ اس لیے عدالتوں کو مناسب تحفظ اور کافی سہولتیں فراہم کی جائیں، نیز انھیں مالی مشکلات سے بچایا جائے۔

○ **کورٹ فیس اور دیگر اخراجات:** انصاف رسانی حکومت کا ایک اہم فریضہ ہے جس کی تائید نصوص سے صراحتاً ہوتی ہے کہ عدل رسانی حکومت کا دینی فریضہ ہے۔ قرآنی آیات،

مستند احادیث اور ائمہ مجتہدین کی آرا کے مطالعے سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ نسل، جنس اور رنگ کی تمیز کیے بغیر تمام باشندوں کو بلااُجرت انصاف کے حصول کی ضمانت دے۔ لہٰذا حکومت دیوانی، فوجداری اور آئینی مقدمات میں جتنی جلدی ممکن ہو، کورٹ فیس کی وصولی کے نظام کو ختم کرے۔ یہ بات درست ہے کہ موجودہ قانون مجموعہ ضابطہ دیوانی میں مفلس مدعی کی طرف سے اپنے آپ کو مفلس ثابت کردینے کے بعد دعویٰ دائر کرنے کے مرحلے پر کورٹ فیس لگانے کی پابندی عائد نہیں کی جاتی لیکن مقدمہ دائر کرنے سے پہلے سائل کو اپنی مفلسی ثابت کرکے کورٹ فیس کے بغیر مقدمہ دائر کرنے کی اجازت حاصل کرنے کا طریقہ انتہائی پیچیدہ ہے جس سے مدعیان کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچتا۔ لہٰذا اس طریقۂ کار کو بھی سہل بنانے کی ضرورت ہے۔ (کوڈ آف سول پروسیجر' قاعدہ:XLIV)

○ **پیشہ ورانہ وکالت کی حوصلہ شکنی:** اگر کوئی مدعی اپنے کسی حق کے اثبات و مطالبے کے لیے دعویٰ کرنا چاہے یا مدعا علیہ کو جواب دعویٰ کے لیے عدالت میں حاضر ہوکر جواب دینا ہو تو جس طرح یہ دونوں خود جاسکتے ہیں اسی طرح وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل بناکر بھی بھیج سکتے ہیں، یعنی مدعی کی جگہ وکیل دعویٰ دائر کرے اور مقدمہ کی باقی کارروائی چلائے یا مدعا علیہ کے بجاے اس کا وکیل عدالت میں جاکر دعوے کا دفاع کرے اور آخر تک تمام کارروائی چلائے۔ اگر فریقین کو اس وکیل پر کوئی اعتراض نہ ہو تو یہ وکیل درست اور جائز ہے لیکن بغیر کسی معقول عذر کے وکیل بنانا مستحسن نہیں۔

اگر اس قسم کے مستقل پیشہ ور وکلا موجود ہوں جو مدعی سے فیس لے کر قانونی موشگافیوں، فقہی جزئیات اور شاذ اقوال نکال کر قاضیوں اور ججوں کو مرعوب اور متاثر کرنے اور درست شرعی رہنمائی کے بجاے اپنے مقدمے کو کامیاب کرنے کے سارے ماہرانہ حربے استعمال کریں تو اس طریقے سے عادلانہ نظام قائم نہیں ہوسکے گا۔ اگر خدا کا خوف دامن گیر نہ ہو اور مطمح نظر محض فیس کا حصول ہو تو اسلامی قانون ہی کے نام پر بھی ظلم و جور کے دروازے کھولے جاسکتے ہیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں موجودہ دور کی طرح وکالت کا پیشہ ایک مستقل ذریعہ اکتسابِ رزق کے طور پر ثابت نہیں۔ اسلامی نظامِ عدل کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قاضیوں اور ججوں کی مجالس کے

اردگرد سیکڑوں اشخاص شرعی قوانین و احکام کی مہارت کی اسناد اور لائسنس حاصل کیے ہوئے اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کوئی گاہک آئے گا۔ خلاصے کے طور پر اعلاء السنن کی ایک عبارت درج کی جاتی ہے:

(ترجمہ:) جو کوئی موجودہ زمانے کے وکیل حضرات کے حالات کا آنکھوں دیکھے مشاہدہ کرے کہ وہ کس طرح باطل کو حق ثابت کرتے ہیں اور حق کو باطل بنا دیتے ہیں تو اس کو اس بارے میں کوئی شک وشبہہ نہیں رہے گا کہ امام ابوحنیفہؒ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل درست تھا اور یہ کہ سنت نبویؐ کے فہم میں وہ کس قدر باریک بین اور حقیقت شناس تھے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ اگر وکالۃ بالخصومات کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے اور فیصلہ کرنے والے قاضی حضرات مدعی اور مدعا علیہ کی بات بلاواسطہ خود ان کی زبانی سنیں اور گواہی دینے والے خود براہِ راست ان کے سامنے گواہی دیں اور وکلا حضرات گواہوں کو پٹی نہ پڑھایا کریں تو قاضیوں کے سامنے جب مقدمات پیش ہو جائیں تو پہلے ہی دن اس مقدمے میں واضح ہو جائے گا کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق۔ اکثر باطل کی پہچان میں تاخیر واقع ہو جاتی ہے اور جلد فیصلہ نہیں ہوسکتا تو اس کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ وکلا حضرات خواہ مخواہ تلبیس کرتے ہیں، حق کے خلاف باطل کی حمایت میں حیلے بیان کرتے ہیں اور اپنی فنی مہارت سے حق و باطل کو خلط ملط کر کے معاملے کو مشتبہ بنا دیتے ہیں۔ اصل فقیہہ وہ ہوتا ہے جو اپنے زمانے کے حالات کو دیکھ کر اور ان کو پیش نظر رکھ کر احکام بتا دیا کرے۔ گویا فقاہت کا تقاضا یہی ہے کہ پیشہ ورانہ وکالۃ بالخصومہ کی اصلاح کی جائے۔ (ظفر احمد عثمانی، اعلا السنن، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ بالخصومۃ، ۱۵/۳۴۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۹۷ء)

○ **پیشہ ورانہ تعلیم قانون:** اگرچہ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا کوئی بہت پسندیدہ کام نہیں کہا گیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں عامۃ الناس اپنے معاملات کو قانون سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے عدالت میں خود پیش نہیں کر سکتے، کیونکہ دعویٰ دائر کرنے کے لیے ایک

خاص طریقہ مروج ہے اور عامۃ الناس اس طریقے سے ناواقف ہیں۔ علاوہ ازیں عدالت میں پیشے کے لیے وکیل کا کسی مسلمہ یونی ورسٹی سے قانون کی ڈگری کا حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ وکالت کو بطور پیشہ معاشرے نے قبول کرلیا ہے، اب اس کو ختم کرنا ممکن بھی نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس پیشہ کی اصلاح پر توجہ دی جائے۔ قانون کا پیشہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھنے والے طلبہ کے لیے مخصوص مضامین میں نمایاں کامیابی ضروری قرار دی جائے۔ مزید یہ کہ ایل ایل بی کے نصاب میں ادب القاضی کے عنوان سے مستند فقہی کتب شامل کی جائیں کیونکہ موجودہ نصاب کے تحت قانون کی تعلیم کی تدریس تو ہوجاتی ہے لیکن شریعت نے افسران عدالت کے اخلاقی رویے کے لیے جو تعلیمات دی ہیں وہ نہ تو موجودہ نصاب کا جزو ہیں اور نہ کورس کے اختتام پر ہی زائد لیکچرز کے ذریعے طلبہ کو بتائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قانون کی تعلیم کے رائج الوقت نصاب پر نظر ثانی کی جائے۔

فراہمی انصاف میں وکلا کا کردار: تاخیر سے عدل کی فراہمی سے خود عدل کے تقاضے مجروح ہوتے ہیں اور فریقین میں اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ عدل رسانی میں تاخیر، عدل کی نفی کے مترادف ہے۔ ایسے معاشرے میں فوری انصاف بھلا کیسے ممکن ہے جہاں کامیاب وکیل وہ شمار ہوتا ہے جو لمبی پیشی دلوانے میں کامیاب ہوجائے۔ بلاتاخیر انصاف کی فراہمی وکلا کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں اور یہ تبھی ممکن ہے جب وکلا اپنے حقیقی منصب اور ذمہ داری کا پاس کریں۔ وکلا کے حقیقی فرائض حسب ذیل ہیں: ● اپنے حقوق سے ناواقف افراد کی طرف سے وکالت کرکے ان کو استحصال سے بچانا ● عوام میں ان کے حقوق اور ذمہ داریوں کا شعور بیدار کرنا ● مظلوم کی مدد کرنا اور غاصب و جابر کو عدالتی استقرار حق کے ذریعے مظلوم کا حق دینے پر مجبور کرنا ● عدالتی معاملات میں معاونت، یعنی عدل کی بنیاد پر فریقین کے مابین مصالحت میں تعاون کرنا ● تنازعات کو نمٹانے اور قانون کی تشریح میں عدالت کی معاونت ● خائن افراد کی وکالت قبول کرنے سے انکار کے ذریعے سے معاشرے میں دیانت داری، سچائی اور نیکی کو فروغ دینا۔

پیشۂ وکالت کو اصلاً مندرجہ بالا فرائض کا پابند ہونا چاہیے لیکن شومئی قسمت اس پیشے کے تقدس کو بحال نہیں رکھا گیا۔ اکثر وکلا زیادہ مقدمات لینے کی وجہ سے مناسب تیاری نہیں کرپاتے

جس کی وجہ سے یا تو تاریخ لی جاتی ہے یا پھر صحیح طور پر دلائل نہیں دیے جاسکتے اور اس طرح اپنے حقیقی فرائض سے خیانت کرتے ہیں۔ موجودہ وکالت کی ایک بڑی خرابی جو فراہمی انصاف میں تاخیر کا سبب بنتی ہے وہ یہ ہے کہ پیشۂ وکالت سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حصّہ ہے۔ جس کی جیب بھاری ہو' وہی اس نظام سے استفادہ کرسکتا ہے۔ غریب آدمی یا تو اس سے محروم رہتا ہے یا اپنی ساری جمع پونجی وکیل صاحب کے حوالے کر دیتا ہے اور رہی سہی کسر وکیل صاحب کے منشی حضرات نکال دیتے ہیں جو ہر پیشی پر نقول کے نام پر ہزاروں روپے اینٹھ لیتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ پیشہ وکالت بذاتہٖ درست اور مستحسن ہے لیکن بوجوہ خراب اور غیر مستحسن ہے۔ لہٰذا اس پیشے کا تقدس بحال رکھنے کے لیے طریقہ تدریس اور نصاب تدریس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

○ **عدالتی امور میں اُردو کی حوصلہ افزائی:** انصاف رسانی کے نقطۂ نظر سے یہ ضروری ہے کہ عوام اور اہلِ معاملہ خود قانون پڑھ اور سمجھ سکیں اور عدالتی کارروائی فریقین اور حاضرین سب سمجھ سکیں اور مطمئن ہوں کہ انصاف کا تقاضا پورا ہو رہا ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور عدالتی زبان لازماً اُردو ہی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ تمام قوانین کے مستند اُردو تراجم کرائے جائیں اور قوانین کے معیاری ایڈیشن حکومت کی نگرانی میں اور حکومت کی جانب سے شائع کیے جائیں اور آیندہ قانون سازی بھی اُردو میں کی جائے۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے مقتدرہ قومی زبان کے نام سے ایک ادارہ اسلام آباد میں قائم کیا ہے جو کتب کے معیاری اُردو تراجم فراہم کرنے میں کوشاں ہے' تاہم اس ادارے کی مزید سرپرستی اور سب سے بڑھ کر عملی اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ مزید برآں یہ کہ مقتدرہ قومی زبان کی طرف سے قانون کے جو تراجم سامنے آئے ہیں وہ عام فہم نہیں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ان تراجم کے مقابلے میں انگریزی قوانین نسبتاً عام فہم' سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے ہیں۔

موجودہ نصابِ تعلیم عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ زبان شستہ اور عام فہم ہے۔ مشکل اور پیچیدہ عبارات سے حتی المقدور اجتناب کیا جاتا ہے لیکن ہماری عدالتوں میں مستعمل اُردو زبان انتہائی پیچیدہ' اُلجھی ہوئی اور متروک ہے۔ مزید یہ کہ انگریزی سے اُردو تراجم بھی انھی متروک الفاظ اور عبارات سے کیے گئے ہیں۔ اصحاب الرائے کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

○ **حکم امتناعی کا غلط استعمال:** حکمِ امتناعی (stay order) کا غلط استعمال بھی انصاف میں تاخیر کا ایک بڑا سبب ہے۔ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جب حکم امتناعی جاری کیا جائے تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ فریقین اس کا غلط استعمال نہ کریں۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ اصل مقدمے کو جلد از جلد نمٹایا جائے، بالخصوص جن مقدمات میں حکم امتناعی جاری کیا گیا ہو۔ عام طور پر ماتحت عدالتیں ان مقدمات میں کارروائی آگے نہیں بڑھاتیں جن کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ فریقین نے اعلیٰ عدالتوں سے رجوع کرلیا ہے۔ یہ طریقہ غیرمناسب ہے۔

○ **التوا کی درخواستیں:** انصاف کی فراہمی میں تاخیر کی وجہ سے عوام کا عدالتوں پر سے اعتماد کم ہوتا جا رہا ہے اور اس تاخیر کی ایک وجہ التوا کی درخواستیں ہیں۔ عدالتیں معمول کے مطابق التوا دے دیتی ہیں اور فریقین بھی معمول کے مطابق التوا کی درخواستیں دے دیتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ التوا کی درخواستوں کا سختی سے جائزہ لیا جائے۔ کوئی معقول عذر ہو تو التوا دینا چاہیے ورنہ نہیں۔ وکلا صاحبان اور جج حضرات اگر چاہیں تو باہمی تعاون سے التوا روک سکتے ہیں۔

○ **عدم تعمیل سمن:** سمن کی عدم تعمیل فصل خصومات میں تاخیر کا ایک بڑا سبب ہے۔ مدعا علیہ پر سمن کی تعمیل میں تاخیر فصل خصومات کی تاخیر پر منتج ہوتی ہے۔ موجودہ صورت حال کچھ یوں ہے کہ سمن کی عدم تعمیل کی صورت میں بیلف سمن کی پشت پر اپنا حلفیہ بیان عدالت میں اپنی اس تصریح کے ساتھ پیش کر دیتا ہے کہ مدعا علیہ پر سمن کی تعمیل نہ ہوسکی، یا مدعا علیہ لاپتا ہے یا تعمیل سمن سے انکاری ہے، جب کہ صورت حال کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کے بعد عدالت یک طرفہ کارروائی شروع کرسکتی ہے۔ یہ روز مرہ مشاہدے کی بات ہے کہ بیلف کا بیان محض رسمی ہوتا ہے اور یہ بیان دیتے ہوئے اسے اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بیان حلفی کی تصدیق حاکمِ عدالت کے روبرو ہوا کرے، تاکہ بیلف کو اپنے بیان کی صداقت، اس کے شرعی تقاضوں اور ذمہ داریوں کا احساس بوقت حلف مستحضر رہے اور یہ محض رسمی ضابطے کی کارروائی بن کر نہ رہ جائے، نیز یہ کہ مدعا علیہ اگر حاضر نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی میں عموماً فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ عدالت میں اس کی حاضری کے لیے اشتہار جاری کرنے کے موجودہ طریق کار کو بدل کر اس کو

زبردستی حاضر کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اگر اس کے باوجود مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو اس کو گرفتار کر کے عدالت میں لایا جائے اور تعمیل سمن کے لیے جو میعاد مقرر ہے اس پر سختی سے عمل کیا جائے۔

○ **ماہرین کی آرا کا حصول:** عدالتی معاملات میں تاخیر کی ایک بڑی وجہ قرائن کی جانچ پڑتال مثلاً فنگر پرنٹس، خون کے دھبے اور تحریروں کی شناخت کے لیے تجزیہ گاہوں کی شدید کمی ہے۔ ان کی رپورٹس میں تاخیر فیصلے میں تاخیر پر منتج ہوتی ہے۔ ہر تحصیل کی سطح پر نہ سہی، کم از کم ہر ضلع کی سطح پر ایسی تجربہ گاہیں موجود ہوں جو ان مقاصد کے لیے استعمال کی جاسکیں، نیز متعلقہ افسر اپنی رپورٹ مقررہ مدت میں لازماً عدالت میں پیش کرنے کا پابند ہو۔

○ **زائد المیعاد دعووں کی سماعت:** دعویٰ محض زائد المیعاد ہونے کی وجہ سے اپنی حقیقت نہیں کھو دیتا بلکہ اس کا اثر صرف اتنا ہوتا ہے کہ مروجہ عدالتیں ایسے دعوے کو سننے سے انکار کر دیتی ہیں۔ البتہ **مجلة الاحکام العدلیة** کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ اگر مدعی بغیر کسی عذر شرعی کے ۱۵ سال تک اپنے حق کے حصول کے لیے سعی نہیں کرتا تو وہ یا اس کے ورثا اس مدت کے بعد اس حق کے حصول کے لیے دعویٰ نہیں کر سکیں گے۔ عدالت عظمیٰ پاکستان، شریعت اپیلیٹ بنچ کے فاضل جج، جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے (1991 SCMR 2063) کہ زائد المیعاد دعووں کی وجہ سے اگر کسی کا حق ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو وہ کسی اور ذریعے سے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔

مذکورہ فیصلے میں لفظ کوئی اور 'طریقے' سے کیا مراد ہے۔ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل جج یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مروجہ عدالتی نظام اور قوانین سے ہٹ کر اگر کوئی ممکنہ صورت ہو تو زائد المیعاد دعوے کی سماعت کی جائے۔ اس ضمن میں حسب ذیل تجاویز پر عمل کیا جاسکتا ہے:

۱- ہر ضلع کی سطح پر کم از کم ایک جج مقرر ہو جو صرف دعاوی اندر میعاد دائر نہ کرنے کی وجوہ کی سماعت کر کے اس بات کا تعین کرے کہ مدعی کے پاس دعویٰ دائر نہ کرنے کا معقول عذر تھا یا نہیں۔ عذرِ شرعی پر انسان قدرت نہیں رکھتا، لہٰذا وہ جج ایسے دعوے کی بغیر اضافی اخراجات اور جرمانہ کے سماعت کی سفارش کرے اور اسے متعلقہ عدالت میں ارسال کر دے۔ بصورتِ دیگر عدالت جرمانے یا جو بھی مناسب کارروائی ہو' کر سکتی ہے، تاہم دعوے کی سماعت ہر صورت کی

جائے۔ اس طرح بقیہ عدالتیں اپنے روز مرہ کے معمولات اور مقدمات کے تصفیے میں مصروف رہیں گی اور ان کا طویل وقت اس بات پر صرف نہیں ہوگا کہ دعویٰ زائد المیعاد ہے یا اندر میعاد ہے۔

۲- یہ بھی ہوسکتا ہے ایسے مقدمات کو ثالثی کے ذریعے طے کرلیا جائے، لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب دوسروں کا مال ناحق کھانے کی جواب دہی کی فکر اور دل میں خدا خوفی ہو۔

۳- ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسے مقدمات کو سیاسی سطح پر جوڑتوڑ کر کے نمٹا لیا جائے۔ مذکورہ تینوں صورتوں میں سے جو بھی ممکن ہو اس سے متعلقہ عدالت کو باخبر کردیا جائے اور عدالت اس فیصلے کی توثیق کر کے اس کا اجرا کردے تاکہ بعد میں کوئی تنازعہ پیدا نہ ہو۔

○ **پولیس کی اصلاح:** انصاف کی فراہمی پولیس کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ خاص طور پر فوجداری انصاف میں پولیس کی اصلاح بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ جب تک بنیاد درست نہیں ہوگی جو عمارت بھی بنائی جائے گی وہ ناپایدار اور ناہموار ہوگی۔ فراہمی انصاف میں یہی حیثیت انتظامیہ کی ہے۔ جب تک انتظامیہ منصف مزاج نہ ہوگی لوگ انتظامیہ کے ظلم کا شکار رہیں گے۔ دیوانی انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مقدمات اور ججوں کی تعداد میں بہت زیادہ عدمِ تناسب ہے اور اسے ضرورت کے مطابق ججوں کی فوری اور بلاتاخیر مزید تقرری سے ہی پورا کیا جاسکتا ہے لیکن پولیس اور متعلقہ شعبہ جات کی اصلاح کے بغیر فوجداری انصاف کا حصول ممکن نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ اللہ رب العالمین حاکمِ تشریعی بھی ہے۔ جس طرح اس نے انسان کی مادی زندگی کو بحال رکھنے کا بندوبست کیا ہے، اسی طرح اس کی روحانی اور تمدنی زندگی کے لیے کامل اور مبنی بر عدل نظامِ حیات بھی دیا ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے قوانین و ہدایات موجود ہیں۔ اس کے احکام و قوانین کسی خاص فرد، قبیلے یا قوم کی خواہشات و اغراض کے تابع نہیں ہیں، بلکہ پورے نوعِ انسانی کی مصلحت پر مبنی ہیں۔ خلافتِ الٰہی اور نیابتِ خداوندی کے ساتھ سب سے پہلا فریضہ جو انسان کے سپرد کیا گیا ہے وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ہے، لہٰذا ایک آزاد عدلیہ کا قیام اسلامی حکومت کے لیے فرضِ عین کا درجہ رکھتا ہے۔

'روشن خیال اعتدال پسندی'

نئی نسل کو کہاں لے جارہی ہے!

پروفیسر ملک محمد حسین ○

'روشن خیال اعتدال پسندی' موجودہ حکومت کی قدرِ اساسی ہے۔ اس حکومت کی سماجی' معاشی اور تعلیمی پالیسیاں حتیٰ کہ خارجہ پالیسی بھی اسی قدرِ اساسی سے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ روشن خیال اعتدال پسندی کا نتیجہ ہے کہ دوسرے ملکوں سے مسلمان طلبہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پاکستان کے دینی مدارس میں داخلہ نہیں لے سکتے کیونکہ حکومتِ پاکستان نے اس کے لیے تعلیمی ویزے کی سہولت ختم کر دی ہے' جب کہ دشمن ملک بھارت سے 'نچیے' گوئیے اور پاکستان کے خلاف خبثِ باطن رکھنے والے قلم کار' فلم سٹار اور نام نہاد دانش ور کھلے عام آسکتے ہیں۔

یہ روشن خیال اعتدال پسندی ہی کا شاخسانہ ہے کہ تعلیم کا میدان فری فار آل (free for all) کر دیا گیا ہے۔ پاکستان یونی ورسٹیوں' غیر ملکی اسکول سسٹمز اور اندرون ملک تعلیمی تاجروں کی کھلی چراگاہ بن گیا ہے۔ اسلام اور نظریۂ پاکستان کے بعض اساسی تصورات کی نفی کرنے والے نصابات اور درسی کتب بلا روک ٹوک ہماری نئی نسل کے اذہان کو منتشر' بے راہ رو اور مسموم کر رہی ہیں اور ۱۹۷۶ء کا ایجوکیشن ایکٹ روشن خیال اعتدال پسندی کی زنجیروں میں جکڑا بے بسی کا عبرت ناک نشان بنا ہوا ہے جس کی داد رسی کے لیے سپریم کورٹ آف پاکستان کا عدل پسند چیف جسٹس بھی شاید ہی حرکت میں آئے۔ بھارت جیسا سیکولر ملک بھی درسی کتب اور تدریسی مواد کو

○ مدیر' ماہنامہ افکار معلم' لاہور

قومی تہذیب و تمدن اور تعلیم و تعلم کے قانونی تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنے کے لیے ٹیکسٹ بکس ریگولیٹری اتھارٹی قائم کر رہا ہے لیکن ہم نے روشن خیال اعتدال پسندی کے نام پر اپنے قومی نصابِ تعلیم کی تدوین اور درسی کتب کی تیاری، جرمنی کے بین الاقوامی امدادی ادارے جی ٹی زیڈ (GTZ) کے سایۂ عاطفت میں دے دی ہے۔

اساتذہ کو روشن خیال اعتدال پسندی کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے انھیں گروہ در گروہ امریکا روانہ کیا جا رہا ہے تاکہ اساتذہ کی ایک مؤثر تعداد روشن خیال اعتدال پسندی کی مشعل ہاتھ میں پکڑے واپس آئے، اور پورے تعلیمی نظام کو روشن خیال اعتدال پسندی کی روشنی سے مالا مال کردے۔ شعبہ نصابیات اور تربیتِ اساتذہ کے بڑے بڑے اداروں کو روشن خیال اعتدال پسندی کے فریم ورک کے مطابق اہلیت کے فروغ (capacity building) کے لیے کینیڈین انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ ایجنسی (CIDA) کے تصرف میں دے دیا گیا ہے، نیز اندرونِ ملک اعلیٰ سطح کے تربیت اساتذہ کے ادارے تباہ کر کے تربیتِ اساتذہ کی ذمہ داری روشن خیال اعتدال پسند این جی اوز کو سونپ دی گئی ہے جن کے پاس تجربہ کار ٹیچر ٹریز تو کجا مناسب تعلیم یافتہ اساتذہ بھی نہیں ہیں۔

دو تین ماہ پہلے ڈائریکٹوریٹ آف اسٹاف ڈویلپمنٹ پنجاب لاہور کے مین ہال میں ایک دل چسپ صورتِ حال پیدا ہوئی۔ سینیر اساتذہ اور تعلیمی منتظمین کا ایک دورانِ ملازمت تربیتی کورس زیرِعمل تھا۔ کورس کے شرکا میں بی ایڈ، ایم ایڈ حتیٰ کہ بعض ایم فل ایجوکیشن کی ڈگریوں کے حامل سینیر خواتین و حضرات شامل تھے۔ لاہور کی دو مقامی این جی اوز کا ایک کنسورشیم کورس کنڈکٹ کرا رہا تھا۔ خاتون کورس کنوینر نے جب محسوس کیا کہ شرکا کورس اُن کی ٹریننگ سے متاثر نہیں ہو رہے تو اُس نے رعب جمانے کی خاطر بڑے فخر سے شرکا کو بتایا کہ دیکھیں میں نے بی اے کے ساتھ بی ایڈ بھی کیا ہوا ہے اور ہم آپ کو بہت بلند سطح کی ٹریننگ دے رہے ہیں۔ اس پر شرکا کورس ہنسی سے پھٹ پڑے اور بڑی دیر تک ماحول سخت غیر سنجیدہ رہا۔ یہ ہے روشن خیال اعتدال پسندی کا وہ روپ جو سرخی پاؤڈر اور غازے کے ہتھیاروں سے مسلح ترقی پسند خواتین کے ذریعے سے عام کیا جا رہا ہے۔

ابتدائی تربیت اساتذہ کے علاوہ روشن خیال اعتدال پسندی کی ترویج مزید دو سطحوں پر بھی

کی جا رہی ہے۔ ایک سطح بچپن کی تعلیم ہے اور دوسری سطح ہائر ایجوکیشن کے ادارے ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے لیے ارلی چائلڈ ہڈ ایجوکیشن (Early Childhood Education) یا ECE کے نام سے منصوبوں کو زیرعمل لایا جارہا ہے۔ اس سطح پر اور اداروں کے علاوہ سب سے زیادہ متحرک اور پُرجوش ادارہ امریکا کا چلڈرن ریسورس انٹرنیشنل (CRI) ہے۔ اس ادارے نے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے اسکولوں سے آغاز کیا اور اب صوبوں تک رسائی حاصل کر رہا ہے۔ ہائر ایجوکیشن تو سراسر روشن خیال اعتدال پسندی کی شمع فروزاں کیے ہوئے ہے۔ کیا سرکاری یونی ورسٹیاں اور کیا غیرسرکاری یونی ورسٹیاں اور انسٹی ٹیوٹس، کیا نظریاتی حضرات کے زیراہتمام چلنے والے اور کیا سیکولر لوگوں کے سایۂ عاطفت میں فروغ پانے والے ادارے، سبھی مغربی تعلیم، مغربی تہذیب اور مغربی تصورِعلم و تحقیق کو فروغ دے رہے ہیں۔ روشن خیال اعتدال پسندی کے یہ مراکز مغربی علمیات (Western Epistemology) کی اساس پر مغربی معاشیات، مغربی سماجیات، مغربی نفسیات اور مغربی انسانیات کی تعلیم کے ذریعے طوعاً کرہاً روشن خیال اعتدال پسندی کے ایجنڈے کی ہی تکمیل کر رہے ہیں۔ حکومت نے ہائر ایجوکیشن کمیشن اور اعلیٰ تعلیم کی پالیسیوں کے ذریعے آزادانہ فکر و تحقیق کے سوتے خشک کر کے روشن خیال اعتدال پسندی کی آب یاری کو یقینی بنا رکھا ہے۔ یونی ورسٹیاں عام طور پر جرنیلوں یا اباحیت پسند سیکولر ذہن کے سخت گیر وائس چانسلروں کے تصرف میں دے دی گئی ہیں جہاں اسلامی ذہن کے پنپنے اور آگے بڑھنے کے راستے مسدود ہیں۔

نظامِ تدریس و تعلّم کو کنٹرول کرنے کا سب سے مؤثر ہتھیار امتحان ہے۔ امتحانی سوالوں کی نوعیت، پرچوں کی ترتیب، مضامین کے کسی سرٹیفیکیٹ یا ڈگری کے حصول میں باہمی اہمیت، طلبہ کے جوابی پرچوں کی مارکنگ اسکیم اور امتحانی پرچوں میں سوالوں کے لیے مختلف مضامین کے درسی مواد کا انتخاب، وہ عناصر ہیں جو امتحانات کو پورے نظامِ تعلیم پر حاوی کر دیتے ہیں۔ روشن خیال اعتدال پسندی کے ذہین مؤیدین نے اس امر کو سمجھا ہے۔ آغا خان یونی ورسٹی امتحانی بورڈ اسی سوچ کا نتیجہ ہے۔ نظامِ تعلیم میں روشن خیال اعتدال پسندی کے مؤثر نفوذ اور نفاذ کے لیے شاید ہی اس سے بہتر تدبیر ممکن ہو۔ بے نظیر حکومت کے دوسرے دور سے اس کی کوشش ہو رہی تھی۔ نواز شریف کے دوسرے دورِحکومت میں اس سلسلے میں پالیسی فیصلہ کرایا گیا اور جنرل پرویز مشرف کی روشن خیال

اعتدال پسند حکومت نے اسے نفاذ تک پہنچایا۔ آغا خان یونی ورسٹی امتحانی بورڈ اگر چلتا ہے (اور بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ چلے گا اور خوب چلے گا) تو کم از کم میٹرک اور انٹر کی سطح پر لبرل اور سیکولر عناصر کی روشن خیال اعتدال پسندی بتدریج جڑ پکڑتی جائے گی اور نظریاتی تعلیمی ادارے بھی طوعاً کرہاً یہ راستہ اپنائیں گے جس طرح کہ اس وقت وہ او لیول اور اے لیول کے برطانوی امتحانات کا بہت تیزی سے شکار ہو رہے ہیں۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ آغا خان امتحانی بورڈ کو تو شاید ہم کچھ وقت تک اور کسی حد تک دباؤ میں رکھ سکیں لیکن کیمبرج یونی ورسٹی اور ایڈیکسل کے برطانوی امتحانات تو بالکل ہمارے کنٹرول میں نہیں اور نہ اُن کے نصاب اور کتاب پر ہمارا کوئی زور ہی چلتا ہے۔

پرویز مشرف کی نیم سیاسی لیکن فوجی حکومت نے روشن خیال اعتدال پسندی کے فروغ کے لیے سہ طرفہ حکمتِ عملی (three prong strategy) اپنائی ہے۔ تعلیم ایک شعبہ ہے، قانونی تبدیلیاں دوسرا شعبہ ہے اور میڈیا کی مادر پدر آزادی تیسرا شعبہ ہے۔ زیرنظر مضمون میں تعلیم کے ذریعے روشن خیال اعتدال پسندی کا فروغ ہمارا موضوع ہے۔ اس شعبے میں اب ایک نیا شاخسانہ اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ برائے تحقیق، تعلیم اور مکالمہ کا قیام ہے۔

اس ادارے کے بارے میں ابتدائی غوروفکر ۲۰۰۳ء میں اسلام آباد میں کیا گیا۔ ۲۰۰۴ء میں اس سلسلے میں پیش رفت ہوئی اور حکومت کے زیراہتمام ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۲۰۰۴ء، مسلم اسکالرز کی ایک بین الاقوامی مشاورت منعقد ہوئی جس کے متعلق دعویٰ کیا گیا کہ پچھلے ۲۰۰ سال میں پہلی مرتبہ ۱۴ ملکوں سے ۴۵ اسکالرز اس مشاورت میں اکٹھے ہوئے۔ اس مشاورت میں روشن خیال اعتدال پسندی کو فروغ دینے والا ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور روشن خیال اعتدال پسندی کا یہ کام امریکا میں ۳۴ سال سے درس و تدریس میں مشغول ڈاکٹر رفعت حسن کے ذمے لگایا گیا۔ آخرکار اس ادارے کا قیام غالباً ستمبر ۲۰۰۵ء میں عمل میں آیا۔ اس ادارے کا صدر دفتر لاہور کینٹ میں ہے اور اسے جنرل پرویز مشرف نے ۵۰ کروڑ روپے کی خطیر رقم ابتدائی اخراجات کے لیے مہیا کی ہے۔ ادارے کی سربراہ نے دعویٰ کیا ہے کہ انھیں کوئی بیرونی پشت پناہی حاصل نہیں ہے اور ساری کی ساری مالی پشت پناہی حکومتِ پاکستان کی طرف سے ہے۔ ادارے کے ایک تعارفی کتابچے میں اس ادارے کا بنیادی مقصد ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

مغل بادشاہ اکبر اعظم نے لاہور کو صوبائی سطح سے بلند کر کے آگرہ اور دہلی کی طرح دارالحکومت کا مقام دیا۔ لاہور تختِ شاہی کی ایک متبادل سیٹ تھی۔ اکبر دوسرے تمام مذاہب کی طرف روادارانہ رویہ رکھتا تھا۔ اس نے یہاں لاہور میں دوسرے مذاہب کے علما و فضلا کے ساتھ بحث و مباحثہ کی مجلسیں منعقد کیں۔ ان مباحثوں سے جس میں مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی اور ملحد بے دین، سب شریک ہوتے تھے، روادارانہ مکالمے کی فضا نے نشوونما پائی۔ آج یہ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ بھی اسی مقصد کے لیے کوشاں ہے تاکہ اعلیٰ سطح کے بہترین اہل علم کے درمیان آج کی دنیا میں روشن خیال مسلم معاشرے کے لیے ان کے وژن پر بحث و مباحثے کی گنجایش پیدا ہو۔

ادارے کے تعارفی کتابچے سے لیا گیا یہ اقتباس، مذکورہ ادارے کے کارپردازان کا ذہن پوری طرح واضح کر دیتا ہے۔ گویا مغل بادشاہ اکبر کی روشن خیال اعتدال پسندی (جس کا مظہر اس کا 'دین الٰہی' تھا) ان خواتین و حضرات کا راہنما نظریہ ہے۔ اقبال انسٹی ٹیوٹ کے کارپردازوں نے حکومت کی سرپرستی میں بند دروازوں کے پیچھے یکم تا ۳ جولائی ۲۰۰۶ء لاہور کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں بڑی رازداری سے ایک کانفرنس منعقد کی جسے ایک روشن خیال مسلم معاشرے کی تشکیلِ نو میں پیغامِ اقبال کی معنویت پر جنوبی ایشیا کے اسکالرز کی لاہور مشاورت کا نام دیا گیا۔ اس نام نہاد مشاورتی اجلاس میں کسی صحافی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مقصد شاید یہ تھا کہ یہ نام نہاد اسکالرز اقبال کے مقدس نام پر روشن خیال اعتدال پسندی کے ضمن میں جو ہرزہ سرائی کریں اور نسلِ نو کے اذہان کو روشن خیال اعتدال پسندی کے سازشی تصورات کے تحت مسموم کرنے کے جو منصوبے بھی بنائیں وہ اقبال کے پرستاروں اور وطن عزیز کے مخلص دانش وروں تک پہنچنے نہ پائیں۔ وہ تو بھلا ہو روزنامہ نوائے وقت کا جس نے ۸ جولائی کے تعلیمی ایڈیشن میں اس سازش کو طشت از بام کر دیا۔

کانفرنس کے شرکا میں پاکستان کے علاوہ بھارت، بنگلہ دیش، کینیڈا، امریکا اور مصر سے خواتین و حضرات شامل تھے۔ جو خواتین و حضرات بھی اس مشاورت میں شریک تھے وہ سب کے سب کلامِ اقبال اور پیغامِ اقبال کے حوالے سے مجہول لوگ ہیں۔ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش سے اقبالیات کے نام ور محققین اور اقبال شناس خواتین و حضرات سے کوئی ایک شخص بھی

ساؤتھ ایشین مسلم اسکالرز کے اس مشاورتی اجلاس میں شرکت کے قابل نہیں سمجھا گیا حتیٰ کہ فرزندِ اقبال، ڈاکٹر جاوید اقبال کو بھی (ماشاء اللہ وہ بھی روشن خیال اعتدال پسندی کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں) اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ وہ مذکورہ مشاورت میں جلوہ افروز ہوں۔ گویا مذکورہ مشاورتی اجلاس کی روشن خیال اعتدال پسندی کے حوالے سے سطح کچھ زیادہ ہی بلند تھی۔ علامہ اقبال کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لیے وفاقی حکومت کی طرف سے ۵۰ کروڑ روپے کی خطیر رقم فراہم کرنے کا معاملہ قومی اسمبلی اور سینیٹ کے محبِ وطن اراکین کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ شاید صدرِ مملکت نے اپنے صواب دیدی فنڈ سے روشن خیال اعتدال پسندی کے اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے یہ رقم مہیا کی ہے کیونکہ اس رقم کا ذکر پچھلے بجٹ میں ہے اور نہ حالیہ بجٹ میں۔

اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ کا ہدف نئی نسل، تعلیم اور اساتذہ ہیں۔ گویا گراس روٹ لیول سے روشن خیال اعتدال پسندی کا شر پھیلانے کا پروگرام بنایا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے علامہ اقبال کے نام پر ابہام اور انتشار پیدا کرنے کی ٹھانی گئی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک امریکن ڈاکٹر فریڈ میڈنک نے جو ٹیچرز ود آؤٹ بارڈرز (Teachers Without Borders) نامی کسی تنظیم کے بانی ہیں، بتایا کہ انھوں نے اساتذہ کے لیے اسلام کو عام فہم بنانے کے لیے اور اساتذہ کی تربیت کے لیے کہ وہ اسلام کو تدریس کے ساتھ مربوط کرسکیں، ایک ہینڈ بک تیار کی ہے جس کا عنوان ہے: Modern Teaching and Islamic Tradition۔ راقم الحروف نے اس نام نہاد ہینڈ بک کا کچھ حصہ مذکورہ انسٹی ٹیوٹ کے تعارفی کتابچے میں دیکھا ہے۔ وہ واقعی سیکولر لبرل عناصر کی روشن خیال اعتدال پسندی کا شاہکار ہے۔ اسلام سے نابلد ایک جاہل امریکی سے اور توقع بھی کیا کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر فریڈ میڈنک نے جو مستقلاً اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ کے صدر دفتر میں متعین ہے، اس سال اپنی اس ہینڈ بک کے ذریعے ۱۵۰ اساتذہ کی تربیت کا ہدف مقرر کیا ہے۔

اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ نے اس سال ۴۰ سے ۵۰ لاکھ طلبہ تک رسائی حاصل کرنے کا پروگرام بھی بنایا ہے تاکہ انھیں روشن خیال اعتدال پسندی کے اسباق دیے جائیں۔ طلبہ تک رسائی کی ابتدا ہمارے روشن خیال اعتدال پسند گورنر پنجاب عزت مآب خالد مقبول کے ہاتھوں ہوئی کہ موصوف نے مشاورتی اجلاس کے آخری دن مندوبین کو گورنر ہاؤس میں کھانا دیا جس کے دوران

پنجاب کی مختلف یونی ورسٹیوں سے ۴۰ منتخب طلبہ و طالبات کو ساؤتھ ایشیا کے ان نام نہاد مسلم اسکالرز سے ملاقات کا شرف بخشا گیا۔

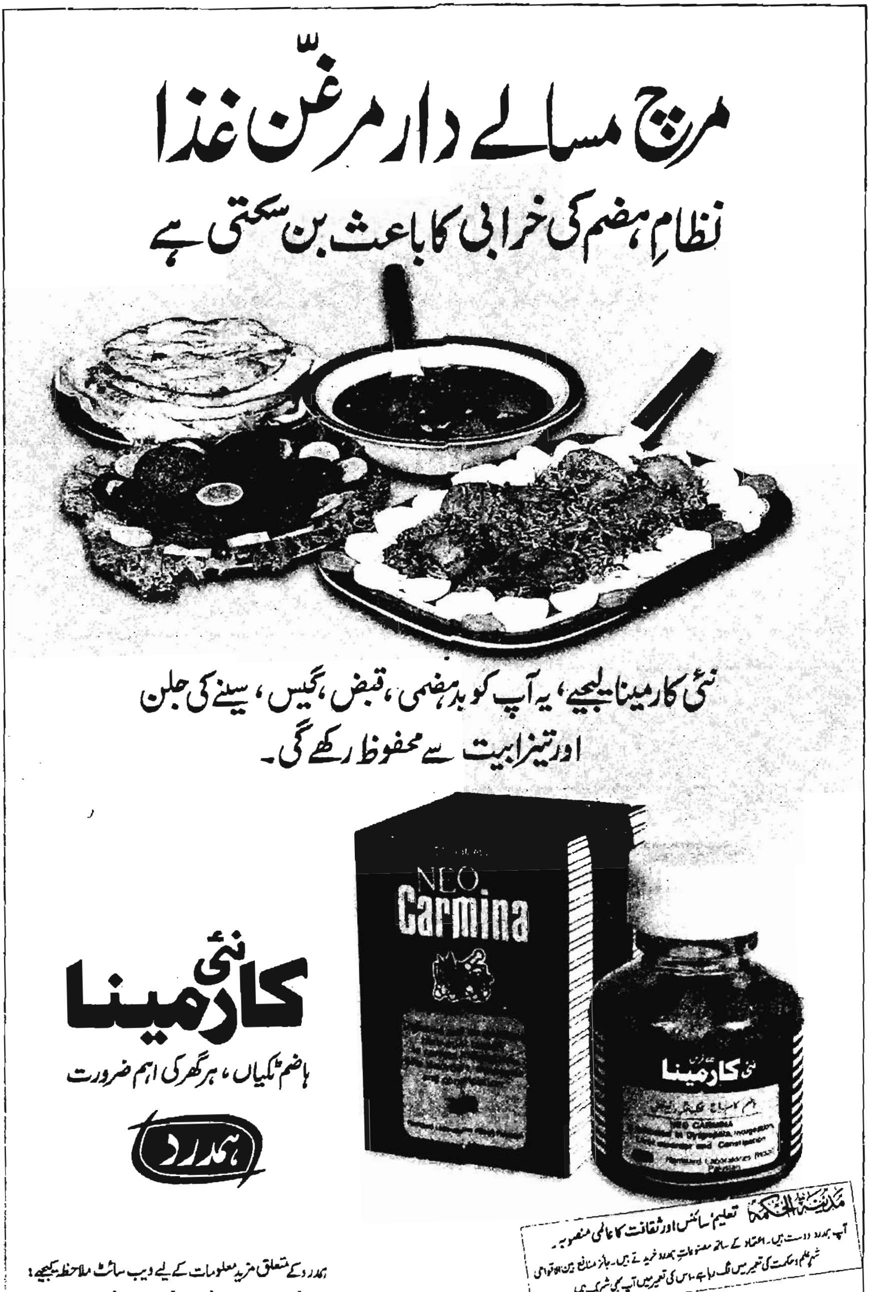
ساؤتھ ایشیا مسلم اسکالرز کی اس لاہور مشاورت کی خفیہ کارروائی سے جو کچھ میڈیا میں سامنے آیا اس کے مطابق پاکستان میں اسلامیات کے نصاب کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ دینی مدارس کی تعلیم اور نصاب کو بدلنے کی سفارش کی گئی۔ اے لیول اور او لیول پاس کرنے والے طلبہ و طالبات میں مطلوبہ سطح کی روشن خیال اعتدال پسندی کے فقدان کا رونا رویا گیا۔ ابتدا ہی سے روشن خیال اعتدال پسندی کے فروغ کے لیے پہلی جماعت سے انگریزی کی تدریس لازمی مضمون کے طور پر جاری کرنے کی سفارش کی گئی۔ علامہ اقبال، نذرالاسلام اور رابندر ناتھ ٹیگور کی تعلیمات پر مبنی ریسرچ پراجیکٹس شروع کرنے اور ان کی تعلیمات نئی نسل تک پہنچانے کے لیے منصوبہ بنایا گیا۔ یاد رہے کہ نذرالاسلام اور ٹیگور دونوں بنگالی شاعر اور ادیب ہیں۔ نذرالاسلام مرتے دم تک کلکتہ میں رہا اور زندگی بھر سابق مشرقی پاکستان یا بنگلہ دیش نہیں گیا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ علامہ اقبال، نذرالاسلام اور ٹیگور میں کیا قدرِ مشترک ہے کہ ان پر ریسرچ کر کے اور ان کی تعلیمات سے روشن خیال اعتدال پسندی برآمد کر کے نئی نسل تک پہنچانے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے ساؤتھ ایشیا میں اعتماد سازی اور افہام و تفہیم کو فروغ ملے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گلوبلائزیشن کے تحت عالمی سطح پر جو چار وسیع البنیاد مقاصدِ تعلیم وضع کیے گئے ہیں، اُن میں سے ایک، یعنی مل جل کر رہنا سیکھنے (Learning to live together) کی تکمیل کا ایجنڈا پیش نظر ہے۔

اس کے تحت ضروری قرار دیا گیا ہے کہ پوری دنیا کے بچوں اور جوانوں کے ہیرو مشترک ہوں تاکہ وہ ہیرو جو قوموں میں باہمی نفرت اور افتراق کا باعث بنتے ہیں، انھیں تعلیمی نصابات سے خارج کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا، بھارت اور دیگر مغربی ممالک کے ساتھ ساتھ ہمارے ہم وطن ترقی پسند، روشن خیال اور لبرل سیکولر عناصر بھی ہمارے اُردو، معاشرتی علوم اور مطالعۂ پاکستان کے نصابات پر معترض ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور شہاب الدین محمد غوری تو ہندستان پر حملہ آور ہوئے۔ وہ جارح اور لٹیرے تھے۔ اگر ہم انھیں اپنے نصاب میں اپنے ہیرو بنا کر نئی نسل کو پڑھائیں گے تو ہم ہندوؤں کے ساتھ مل کر کیسے رہ سکتے ہیں۔ یہ لوگ قدیم ہندو

راجاؤں کے ساتھ مغل بادشاہ اکبر جیسے نام نہاد ہیرو کو نصاب کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک کے بعض بھارت پرست ادیب و شاعر اور نام نہاد ترقی پسند دانش ور تو گاندھی کو بھی بھارت کے ساتھ ہمارے مشترکہ ہیرو کے طور پر آگے بڑھا رہے ہیں اور اسی آئیڈیالوجی کے تحت اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ والے علامہ اقبال، نذرالاسلام اور رابندر ناتھ ٹیگور کو باہم خلط ملط کر کے ہماری نئی نسل کے اذہان میں ہیرو کے طور پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔

اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ کے تحت منعقد ہونے والے لاہور مشاورت برائے ساؤتھ ایشین مسلم اسکالرز کی سہ روزہ میٹنگ کے بعد آواری ہوٹل میں ۴ تا ۵ جولائی ٹیچرز ٹریننگ گروپ کا اجلاس بھی ہوا جس میں یونی ورسٹی آف ایجوکیشن کے نمایندے کے علاوہ ادارہ تعلیم و تحقیق پنجاب یونی ورسٹی کے ڈائرکٹر اور بعض دیگر خواتین و حضرات کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اس دو روزہ اجلاس میں ٹیچرز ٹریننگ اور طلبہ میں نفوذ کی راہیں سوچی گئیں اور آیندہ کے پروگرام بنائے گئے۔

محبِ وطن حلقوں کے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ کس طرح ہمارے ہی مشاہیر کا نام استعمال کر کے روشن خیال اعتدال پسندی کا جال پھیلایا جا رہا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ حکومت عوام کے ٹیکسوں سے جمع شدہ رقم اپنی ریاستی قوت کے زور سے ایسے مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے جو تحریکِ پاکستان کے مقاصد، نظریۂ پاکستان کے تقاضوں اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین سے پوری طرح متصادم ہیں۔ اگر کچھ حلقے خیال کرتے ہیں کہ اس طرح کی اوچھی حرکتوں سے کچھ نہیں ہوگا، اور شترمرغ کی طرح منہ ریت میں دے کر سمجھتے ہیں کہ عافیت میں ہیں، تو یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اندھی ریاستی قوت، میڈیا کا ظالمانہ اور جانب دارانہ استعمال اور مسلسل پروپیگنڈا عقائد و نظریات کو کمزور کرنے اور آخرکار مکمل طور پر استیصال کا سبب بن سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم اُمہ عموماً اور ملّتِ پاکستان خصوصاً پوری قوت اور ذہنی بیداری کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہو اور 'روشن خیال اعتدال پسندی' کے نام پر ہونے والی سازشوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کرے۔ اس جدوجہد میں سب سے اہم محاذ تعلیم کا ہے، لہٰذا اساتذہ کرام کو ہراول دستے کا کردار انجام دینا ہوگا۔



Adarts-CAR-1/2005

آسمان کھا گیا یا زمین

سلیم منصور خالد

''رات تین بجے دروازے پر دستک ہوئی' دروازہ کھولا' تو چند مسلح افراد کچھ پوچھے بغیر گھر میں گھس آئے' میرے بیٹے کو پکڑ کر لے گئے' فون کے تار کاٹ دیے اور جاتے ہوئے کہا: ''اس بات کا کسی سے ذکر کیا تو عبرت ناک انجام ہوگا''۔

''میرا بیٹا نہایت بے ضرر اور سیدھا سادا نوجوان ہے مگر مسجد سے نکلتے ہی ایک آدمی نے اس کی گردن دبوچ لی اور کہا: یہ دہشت گرد ہے' سامنے سے جیپ آئی' اُس میں پھینکا اور گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ ڈیڑھ سال ہوگیا ہے میں اسے تلاش کر کے تھک گئی ہوں۔ میری بیوگی میں وہی میرا سہارا تھا اور ابھی بارھویں میں پڑھ رہا تھا' معلوم نہیں کس حال میں ہے۔ وزیرداخلہ سے لے کر کور کمانڈر تک کو ملی ہوں' کوئی نہیں مانتا کہ اس نے پکڑا ہے''۔

''میرا بھائی آٹھ ماہ سے غائب تھا' ہم اسے تلاش کر کر کے تھک گئے۔ اسی غم میں والد صاحب فالج کے حملے کے نتیجے میں بستر سے لگ گئے۔ ہر ادارہ اس کے بارے میں بے خبری کے پتھر برساتا رہا' لیکن اب سے ۱۵ روز پہلے ایک ہرکارے نے آ کر اطلاع دی کہ وہ سرکاری ایجنسی کی حراست میں ہے' ضمانت پر رہائی ہوجائے گی''۔

یہ واقعات کسی جاسوسی ناول کی من گھڑت کہانیاں نہیں' نہ یہ کسی کمیونسٹ ملک میں گزرنے والی ظلم کی داستانیں ہیں' بلکہ پاکستان کے طول وعرض میں ایسی خوف ناک داستانیں' سامع کا خون منجمد کردیتی ہیں۔

بلاشبہہ پاکستان میں خفیہ ایجنسیوں نے قومی مقاصد کے لیے بہترین کارنامے سرانجام دیے ہیں جن پر قوم کو فخر ہے، مگر بدقسمتی سے متعدد ایجنسیوں نے گذشتہ کئی برسوں سے یہ راستہ منتخب کر رکھا ہے کہ جب اپنے ارادے یا منصوبے کے تحت ضروری سمجھا تو آناً فاناً کسی فرد کو اٹھا لیا۔[1] حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مشق ستم کا نشانہ اکثر وہ لوگ بنے جنھوں نے زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں خود اپنی مسلح افواج کا ہاتھ بٹاتے ہوئے، دشمن سے دو دو ہاتھ کیے تھے۔

نائن الیون کے بعد بعض لوگوں نے ایک ایک دو دو ہزار ڈالر کے عوض غیرملکی مسلمان مجاہدوں کو امریکیوں اور مقامی اہل کاروں کے ہاتھ بیچا۔ حالانکہ کل تک یہ لوگ پاکستان کے محسن قرار دیے جاتے تھے، کہ جنھوں نے جان لڑا کر سوویت یونین کو شکست دینے کا تمغہ پاکستانی پالیسی سازوں اور عساکر کے سینے پر سجا دیا تھا، مگر اب حالات نے کروٹ لی اور یہ سب لوگ بڑی بے رحمی سے مسترد شدہ بوجھ قرار پائے، جنھیں قیمت پر یا بلاقیمت بڑی بے رحم اور دنیا بھر میں لاقانونیت کی علامت ریاست کے سپرد کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ خود پاکستان سے ایک قابل لحاظ تعداد افغان مجاہدین کے شانہ بشانہ جہاد میں شریک رہی تھی، جنھیں خود پاکستانی افواج نے یہ تربیت دی تھی، اب وہ تمام جاں باز 'مشکوک کردار کے حامل' قرار پائے۔ اسی طرح جہاد کشمیر میں شریک نوجوان اپنے جذبے اور ایمان کے ساتھ شریک ہوئے تھے، لیکن پاکستان کی حکومتوں نے ابتدائی زمانے سے لے کر آج تک جس اخلاقی کمزوری کے ساتھ عوام میں سے جاں باز شہریوں کے جذبوں کا خون کیا ہے اور پھر آن واحد میں سجدہ سہو کیا ہے، وہ قومی تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ وہ لوگ جنھیں عظیم مجاہد کہا جاتا تھا، ان میں کتنے ہیں جنھیں عقوبت خانوں میں دھکیلا جا رہا ہے،

۱- یہاں پر لاطینی امریکا کے ملک چلّی کے آمر جنرل آگسٹو پنوشے (Pinochet) کا حوالہ برمحل ہے جس نے کمانڈر انچیف بننے کے ۱۹ روز بعد صدر سلواڈور آلندے کو قتل کر کے اقتدار سنبھالا اور ۱۱ اگست ۱۹۷۳ء سے ۱۱ ستمبر ۱۹۹۰ء تک اپنے جابرانہ دور اقتدار میں امریکی سی آئی اے کے احکامات کی تعمیل اور ذاتی انانیت کی تسکین کے لیے ڈھائی لاکھ ہم وطنوں کو قید کیا، ۳ ہزار سے زیادہ ہم وطنوں کو کسی نہ کسی لمحے اچانک اٹھا کر غائب کر دیا اور ۳۵ ہزار سے زیادہ لوگوں کو تشدد کے نتیجے میں مستقل مریض بنا دیا۔ ریٹنگ (Retting) کمیشن اور ولیش (Valech) رپورٹ میں ہوش ربا تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔ مگر آج جنرل پنوشے اپنے ملک میں نفرت کی ایک علامت ہے۔

جو قومی خفیہ ایجنسیوں کے آہنی پنجروں میں سسک رہے ہیں اور ان کے والدین کرب ناک کیفیت میں تڑپ رہے ہیں۔

وہ لوگ جو جذبۂ ایمانی میں اپنا معاشی مستقبل اور اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر قومی قیادت کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جہاد کے لیے نکلے تھے، جنھیں نہ تنخواہ کا شکوہ تھا اور نہ نوکری کی تلاش، ان میں سے کتنے ہیں جنھیں کرزئی اور بش کے وحشیوں کے سپرد کیا جا رہا ہے یا خود ان کے ہم وطن ہی ان پر ستم کے تمام گر آزما رہے ہیں۔ اب یہ عمل کوئی راز نہیں رہا ہے۔ کل تک کوئی اخبار یہ چیزیں شائع کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، لیکن اب، جب کہ صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے تو پاکستانی پریس میں گاہے بہ گاہے کوئی نہ کوئی چیخ سنائی دیتی ہے۔

یکم جولائی ۲۰۰۶ء کو بی بی سی کی اُردو سروس پر اس حوالے سے ایک جان دار پروگرام نشر ہوا۔ ۲ جولائی کے تمام پاکستانی قومی اخبارات نے اسی مناسبت سے ہلا دینے والی خبریں شائع کیں۔ روزنامہ نوائے وقت کے ادارتی نوٹ کے مطابق: ''بی بی سی نے گذشتہ ڈیڑھ دو سال کے دوران پاکستان کے مختلف علاقوں سے غائب اور لاپتا ہونے والے ایسے افراد کی فہرست جاری کی ہے جن کا تعلق مختلف سیاسی تنظیموں سے ہے اور ان افراد کو مبینہ طور پر ایجنسیوں نے اپنی تحویل میں لے رکھا ہے...... وزیرستان میں روزنامہ دی نیشن کے بیورو چیف کے بارے میں بھی بتایا گیا تھا کہ انھیں مبینہ طور پر کسی ایجنسی ہی نے اغوا کیا تھا اور بعدازاں انھیں شہید کر دیا تھا۔ پاکستان میں ایجنسیوں کے ذریعے سیاسی کارکنوں اور دیگر حکومت مخالف عناصر کو گرفتار کرنا اور انھیں اس طرح لاپتا رکھنا کہ ان کے ورثا مارے مارے پھرتے رہیں اور کوئی [سرکاری] محکمہ ان کی گرفتاری کی ذمہ داری ہی نہ لے، انتہائی وحشت ناک اور انسانیت سوز عمل ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مہذب معاشرہ ایسی گرفتاریوں کو برداشت نہیں کرتا۔ خفیہ ایجنسیوں کا یہ کام نہیں ہے...... خفیہ ایجنسیوں کو غیر قانونی اقدامات اور اپنے چارٹر کی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہیے''۔ (۳ جولائی ۲۰۰۶ء)

۱۸ اگست ۲۰۰۶ء کے قومی اخبارات میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کا یہ شدید ردعمل شائع ہوا جس میں انھوں نے راولپنڈی سول لائنز کے تھانے دار سے فرمایا کہ وہ چالاکی اور تماشا بند کرے، اور اغوا کیے جانے والے فرد کو عدالت کے سامنے پیش

کرے۔ مگر ایک ممتاز کالم نگار کے بقول صرف اہلِ پاکستان کے ساتھ ہی یہ سلوک نہیں کیا جا رہا، بلکہ قانونی ویزے پر آنے والے مسلم ممالک کے باشندوں کو بھی اسی بھٹی سے گزارا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''لیکن یہ صرف ایک فرد تو نہیں ہے جسے اغوا کر لیا گیا، وہ تو ہزاروں کی تعداد میں ہیں...... [۱۸ اگست ہی کے اخبارات] پر ایک چھوٹی سی خبر یہ بھی ہے کہ پشاور کی ایک عدالت نے عراقی مزاحمت کار مرحوم الزرقاوی کے نائب ہونے کے الزام میں گرفتار ملزم سمیت سات غیر ملکیوں کو رہا کر دیا۔ ان میں اکسفرڈ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھنے والے ڈاکٹر برہان شامل ہیں۔ الجزائر کے سعید احمد ہیں جو ۱۶ ماہ جیل میں پڑے رہے۔ الجزائر ہی کے سفیان اخضر ہیں جنھوں نے ۱۳ ماہ قید کاٹی، ناجیہ بن صالح کا تعلق تیونس سے ہے اور وہ ۱۸ ماہ سے سلاخوں کے پیچھے پڑے تھے۔ اسی زمانے میں تاجکستان کے جمشید احمد بھی پشاور سے گرفتار ہوئے اور ناجیہ بن صالح کے ساتھ وہ بھی رہا کر دیے گئے کہ بے گناہ ثابت ہوئے۔ ان کے ہم وطن ظریف لطیف کے خلاف کوئی ثبوت نہ پیش کیا جا سکا، تاہم ان پر جیل میں تشدد کے کیسے حربے آزمائے گئے کہ [ظریف] قیدی کی انتڑیاں پھٹ گئیں اور وہ کچھ کھا پی نہیں سکتا۔ ۶ ہزار سے زیادہ ایسے پاکستانی اور غیر ملکی [مسلمان] جیلوں میں پڑے ہیں جن کی فریاد سننے والا کوئی نہیں...... امریکیوں کو ان پر شبہہ تھا...... [حالانکہ] خود عراق اور افغانستان میں برپا امریکیوں کی خوں آشامی نے وہ عالم گیر کش مکش پیدا کی ہے جس نے پاکستان کو استعمار کی چراگاہ بنا دیا ہے۔ ہمارے ہوائی اڈوں پر وہ براجمان ہیں، ہمارے گھروں کو غیر ملکی سونگھتے پھرتے ہیں اور ہمارے شہریوں کو وہ گرفتار کر کے لے جاتے ہیں اور پھر گوانتانامو بے کے پنجروں میں بند کرا دیتے ہیں''۔ (ہارون الرشید، نوائے وقت، ۱۹ اگست ۲۰۰۶ء)

گوانتانامو بے میں ہمارے 'روشن خیال ترقی پسند' قائدین[۲] کے دستِ فیض سے بھیجے جانے والے قیدیوں کا کیا حشر ہو رہا ہے، اسے جاننے کے لیے پاکستانی کشمیری معظم بیگ (پیدایشی برطانوی) کی کتاب Enemy Combatant (لندن، فری پریس ۲۰۰۶ء) کا مطالعہ کافی ہے،

۲- ناین الیون کمیشن سفارش کرتا ہے: ''اگر جنرل مشرف روشن خیال جدیدیت کے لیے ثابت قدمی دکھائے، وہ اپنی جان اور اپنے ملک کی جان بچانے کے لیے لڑے تو امریکی حکومت کو ان کے لیے سخت راستوں پر چلنا ہوگا'' (ص ۳۶۹)۔ اس جملے کے اندر خود جنرل مشرف صاحب اور پاکستان کی تحقیر کا پورا سامان موجود ہے۔

جسے جنوری ۲۰۰۲ء کو پاکستانی ایجنسی نے اسلام آباد سے اغوا کرکے گوانتانا موبے کے جلادوں کے حوالے کیا تھا۔ خود پاکستان میں ایسے بے گناہ قیدیوں کے احوال جاننے ہوں تو کوئی نہ کوئی نوجوان اپنے اندر اٹھنے والے نوحوں کو ہونٹوں پر روکے نظر آجائے گا۔ جن کو اندھادھند پکڑ کر غائب کردیا جاتا ہے اور سال سال بھر اُن کے بارے میں کچھ بتانے سے ایجنسیوں، پولیس اور وزارتِ داخلہ کے کارندے انکاری رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بے گناہ ثابت ہوکر یا تو خدا کے حضور پہنچ جاتا ہے، وگرنہ اس حال میں رہا کیا جاتا ہے کہ بے گناہ ہوتے ہوئے وہ ہڈیوں کا پنجر اور ٹی بی یا کالے یرقان کا مریض بن چکا ہوتا ہے۔ کیا ایسا عمل کرنے والے واقعی پاکستانی ہیں؟

اقتدار اور اختیار ڈھلتی چھاؤں ہے۔ ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ ہم کس کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ امریکی چاہتے ہی یہ ہیں بقول نپولین: ''مسلم معاشروں کو خود ایک دوسرے پر بھوکے شیروں کی طرح چھوڑ دیا جائے اور یہ آپس ہی میں لڑتے مرتے رہ جائیں''۔ اس عمل کی عبرت ناک مثال افغانستان اور عراق میں روزانہ ہم وطنوں کی دونوں جانب سے اٹھنے والی لاشیں ہیں۔

یہاں پر واضح الفاظ میں یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی فرد قانون سے بالاتر نہیں ہے، چاہے وہ عالم ہو یا صحافی یا سپہ سالار ہو یا عام شہری۔ اگر ان بے گناہ قیدیوں میں سے واقعی کسی نے جرم کیا ہے تو اسے لازماً اپنے جرم کی سزا ملنی چاہیے، مگر کھلی عدالت میں مقدمہ چلنے کے نتیجے میں۔ حکومت اسے قانون کے مطابق سزا دلائے اور عدالت کے ذریعے ہی مجرم کو سزا دی جائے۔ ان کے بچوں، والدین اور رشتہ داروں کو ذلیل کرنے اور قدم قدم پر جھوٹ بول کر دھوکا دینے کا ہرگز کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ عمل متاثرین کا اعتماد صرف حکومت پر ختم نہیں کرتا بلکہ ایسے افراد کا یقین خود ریاست سے اٹھ جاتا ہے۔ اور وہ فرد جو سال بھر بے جا تشدد کی سولی پر لٹکنے کے بعد بے گناہ ثابت ہوکر پاکستانی گوانتانا موبے سے یا امریکی گوانتانا موبے سے رہا ہوتا ہے تو اس کی زندگی کے ان قیمتی لمحوں اور ناپیدا کنار صدمے کا جواب دہ کون ہے؟ اس لیے یہ بے جرم ملزم اور ان کے رشتے دار سوال کرتے ہیں کہ کیا پاکستان واقعی ایک آزاد ملک ہے؟

یہ ایک انسانی مسئلہ ہے اور اس المیے میں سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ پہلو بھی ہے کہ ان بے نوا مظلوموں کی دادرسی کے لیے سیاسی پارٹیوں نے کوئی بامعنی آواز نہیں اٹھائی، حالانکہ

یہ واقعات دلدوز چیخوں کے ساتھ ہر شہر میں سنے جا رہے ہیں۔ یہ بے چارے تو اتنے بڑے ملک میں بے پہچان اور شاید بے نام لوگ ہی قرار دیے جائیں، مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ساتھ جو ہو رہا ہے، وہ پاکستانی اہلِ دانش اور اہلِ سیاست کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس صورت حال میں امید کی واحد کرن سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس رہ جاتے ہیں، جو ان تفصیلات کو جمع کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کے لیے اپنے اختیار سوموٹو کو حرکت میں لائیں۔ اس سے نہ صرف مظلوموں کو نجات ملے گی، بلکہ خفیہ کاری کے تمام ادارے اپنے چارٹر سمیت عمل اور تجزیے کی میزان سے گزریں گے اور ان اداروں کے اہل کار بھی یہ بتا سکیں گے کہ وہ کتنے مجبور اور کتنے بااختیار ہیں؟ نیز عوام کو بھی معلوم ہو سکے گا کہ وہ کتنے آزاد اور کتنے مجبور ہیں؟

بیرون ملک خریدار توجہ فرمائیں

بیرونی ممالک میں مقیم سالانہ خریداروں کو اختتام مدت سے دو ماہ قبل اطلاع دی جائے گی۔ مدت کے اختتام تک زرتعاون وصول نہ ہونے کی صورت میں ترجمان القرآن کی ترسیل بند کر دی جائے گی۔

جن خریداروں کی طرف بقایا جات ہیں انھیں اطلاع دی گئی ہے، ازراہ کرم جلد از جلد ادائیگی فرمائیں۔ خصوصی درخواست ہے کہ اپنے ای میل پتوں سے مطلع فرمائیں۔

خریداروں سے بھرپور تعاون کی توقع ہے۔

مینیجر ترجمان القرآن

امام حسن البنا شہیدؒ کے صد سالہ یومِ پیدایش کے حوالے سے **ترجمان القرآن** کی **اشاعتِ خاص** کی تیاری جاری ہے۔ ملک اور بیرون ملک سے اہلِ علم کے متعدد قیمتی مقالات موصول ہو چکے ہیں جن کی تدوین و ترتیب کی جا رہی ہے۔ جلد ہی تاریخ اشاعت کا اعلان کیا جائے گا۔ (ادارہ)

کتاب نما

فقہ الحدیث، امام شوکانی' ترجمہ وتخریج: حافظ عمران ایوب لاہوری۔ ناشر: نعمانی کتب خانہ' حق سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور۔ صفحات (بڑی تقطیع) جلداوّل: ۷۵۲۔ جلددوم: ۸۱۴۔ قیمت: ۴۵۰/۴۳۰ روپے علی الترتیب۔

امام محمد بن علی الشوکانی (۱۱۷۳ھ-۱۲۵۰ھ) معروف محدثین میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب الدُرر البهيّه درس نظامی کے نصاب کا حصہ ہے۔ احادیث سے احکام کا استنباط اس کا موضوع ہے۔ اُردو زبان میں اس کی کوئی عام فہم اور جامع شرح موجود نہ تھی۔ اب حافظ عمران ایوب نے فقه الحديث کے نام سے یہ مفصل شرح لکھی ہے۔ یہ شرح کئی حوالوں سے افادیت کی حامل ہے۔

ابتدا میں ایک مختصر مگر جامع مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فقہ کا معنی ومفہوم' اہمیّت وضرورت' مآخذ' مذاہب اربعہ' اوران کا مختصر تعارف' اختلاف کے اسباب اور امام شوکانی اور شیخ البانی کی حیات وخدمات کو بیان کیا گیا ہے۔ الدُرر البهيّه کے متن کا سلیس ترجمہ دیا گیا ہے اور الفاظ کی لغوی وضاحت اور اصطلاحی وشرعی تعریف کے ساتھ ساتھ تفصیلی حوالہ جات بھی درج کر دیے ہیں۔

کسی بھی مسئلے کے حوالے سے صحابہ کرامؓ، ائمہ وفقہا اور جدید وقدیم علما کے اقوال وفتاویٰ اور بعض مقامات پر اصولی قواعد کو بیان کیا گیا ہے اور پورے اہتمام کے ساتھ ان کے حوالہ جات کو درج کیا گیا ہے۔ راجح مسلک کی وضاحت اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کے دلائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ایک عنوان 'متفرقات' ہے۔ کسی مسئلے سے متعلق ائمہ اربعہ نے کوئی بحث نہیں کی یا دورِ جدید میں کوئی مسئلہ زیادہ اہمیّت اختیار کر گیا ہے تو متفرقات میں اس کو بڑی خوب صورتی سے بیان کر دیا گیا ہے۔

کسی بھی فقہی مسئلے پر متنوع مسالک و آرا کو عمدہ پیرایے میں بیان کر کے اور بلاتعصب کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ کر مسائل واحکام کا استنباط کیا گیا ہے۔ جملہ مسالک و مذاہب کے لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ یوں اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ دکھائی گئی ہے۔ احادیث اور اقوال وفتاویٰ کی تخریج کا کام دقیق اور قابلِ قدر ہے جو نہایت عرق ریزی سے انجام دیا گیا ہے۔

روزمرہ زندگی میں درپیش مسائل کی تفہیم، احادیث کی تخریج وتحقیق، فقہی مذاہب واقوال کا بیان، راجح مسلک کی وضاحت، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ جیسی خصوصیات کی بنا پر زیرتبصرہ کتاب محض ایک شرح ہی نہیں بلکہ اپنے موضوع پر ایک انسائی کلوپیڈیا ہے۔ اساتذہ کرام، علوم دینیہ کے طلبہ اور عام لوگوں کی علمی ضرورت پورا کرنے کے ساتھ ساتھ علوم الحدیث وفقہ میں گراں قدر اضافہ ہے۔ فاضل مصنف بجاطور پر اس علمی کاوش پر تحسین کے مستحق ہیں۔ دیدہ زیب سرورق اور عمدہ طباعت کتاب کی دل کشی میں مزید اضافے کا باعث ہے۔ (فاروق احمد)

جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل، ترتیب وتدوین: ڈاکٹر عبدالستار ابوغدہ، ترجمہ: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی۔ ناشر: ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی، گلشن اقبال، کراچی۔ صفحات: ۴۴۸۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

اسلام ہر زمانے کے لیے ہے۔ اس لیے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں غوروفکر اور ان کا حل ڈھونڈنے کے لیے ہمیشہ سے اجتہاد کیا جاتا رہا ہے۔ اسلامی کانفرنس تنظیم (OIC) سے یوں تو پوری اُمت کو بجاطور پر شکوے ہیں لیکن تنظیم کا ذیلی ادارہ بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی ہے جو ہر برس کسی مسلم ملک میں سالانہ اجلاس منعقد کر کے تمام رکن ممالک سے اس کی کونسل کے ارکان، اسلامی علوم کے ماہرین اور متخصصین کو جمع کرتی ہے اور موجودہ موضوعات اور نئے پیش آمدہ مسائل پر غوروخوض اور بحث مباحثہ کرتے ہیں۔ پھر اتفاق رائے سے جو فیصلے ہوتے ہیں انھیں قراردادوں اور سفارشات کی شکل میں مرتب کرلیا جاتا ہے۔

زیرنظر کتاب مذکورہ اکیڈمی کے ۱۵ سیمی ناروں میں منظور کردہ قراردادوں اور سفارشات پر

مبنی ۱۴۲ موضوعات پر سفارشات کا مجموعہ ہے۔ موضوعات نہایت متنوع ہیں، یعنی اقتصادیات سے لے کر طبیعیات تک، طب سے لے کر سیاسیات تک، معاشرتی امور سے لے کر تہذیبی امور تک، نیز عقائد اور فقہی امور بھی اس میں شامل ہیں۔ مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کے خصوصی مسائل سے متعلقہ جوابات اور حل بھی اس میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹکنالوجی نے جس طرح معاشرتی ڈھانچوں پر شدید اثرات مرتب کیے ہیں اور اس وجہ سے جن الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر بھی اس کتاب میں بحث کی گئی ہے، مثلاً برقی بنک کاری نظام بالخصوص کریڈٹ کارڈ وغیرہ کے حوالے سے مسائل کا جواب دیا گیا ہے۔

گلوبلائزیشن پر اکیڈمی کی ۱۰ سفارشات گلوبلائزیشن کے پیچھے کام کرنے والی مغربی طاقتوں کے منفی عزائم سے نبٹنے کے لیے دی گئی ہیں۔ عقائد کے حوالے سے قادیانیت اور بہائیت کی بابت قراردادیں اور سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے، انھیں اس ادارے کی تحقیقات اور علمی کام پر ضرور نظر ڈال لینی چاہیے۔ اس کے علاوہ خود عام مسلمانوں میں بھی یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اجتہاد اُمت کی سطح پر مرکزی طور پر بھی جاری وساری ہے۔ نام نہاد ماڈرن اسلام کی تبلیغ کرنے والوں سے مکالمہ کرنے والوں کے لیے بھی یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ مجموعی طور پر اکیڈمی، نیز ناشر لائقِ تحسین ہیں کہ انھوں نے ان قراردادوں اور سفارشات کو جو اُمت کے اجماع کے ساتھ تیار کی گئی ہیں، شائع کیا اور اُردو دان طبقے کے لیے پیش کیا۔ اس کتاب کے آخر میں اشاریہ دیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔ (محمد الیاس انصاری)

Islam & The Clash of Civilizations [اسلام اور تہذیبوں کا تصادم]، ڈاکٹر اقبال ایس حسین۔ ناشر: ہیومینٹی انٹرنیشنل، ۱۴- کرشن نگر، گوجرانوالہ۔ صفحات: ۳۸۰۔ قیمت: ۶۰۰ روپے/۲۰ امریکی ڈالر۔

عالمِ اسلام اور عالمِ کفر کے درمیان تہذیبی و سیاسی غلبے کی کش مکش پر سیکڑوں کتابیں، ہزاروں مقالے اور لاکھوں صفحات پر پھیلے ہوئے مضامین، تجزیے اور رپورٹیں یہ ثابت کرنے کے

لیے تحریر کیے گئے ہیں کہ اسلام دقیانوسی مذہب ہے، عورتوں کو مساوی حقوق نہیں دیتا، خوش گوار زندگی کا مخالف ہے، انسانوں پر نامعقول قدغنیں عائد کرتا ہے اور دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے۔ جب تک اسلام کے پیروکار دنیا میں موجود ہیں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس خوف ناک بلا سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا چاہیے۔ چاہے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجانا پڑے، عراق میں شہروں اور دیہاتوں کو ملیامیٹ کرنا پڑے، فلسطین میں جمہوری انتخابات کے نتائج تسلیم کرنے سے انکار کرنا پڑے، یا تین یہودی فوجیوں کی رہائی کے بہانے لبنان کے ہر ہر قصبے کو خاک وخون میں نہلانا پڑے۔

مغرب اور مغربی ممالک کی جانب سے مسلط کی جانے والی اس تہذیبی وفکری یلغار کا راستہ روکنے کی ایک علمی کوشش حال ہی میں منظرِ عام پر آنے والی کتاب: Islam & The Clash of Civilizations ہے جس میں مغرب کے مفکرین کی فکری خامیوں کی نشان دہی اور اسلام کے خلاف الزامات کا جو طومار باندھا گیا ہے اُسے بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے مغربی افکار کا مفصل جائزہ لیا ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آزاد دنیا کی بڑی تعداد نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں، اور اسلام کے پیروکاروں کی ایک بڑی تعداد بھی اسلام کا پیغام صحیح انداز میں پہنچانے میں ناکام رہی ہے۔

زیرِنظر کتاب میں تہذیبی کش مکش پر ایک نئے انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بات پر زور دیا گیا کہ مغرب کے فکری اماموں اور موجودہ منظر (تحدیدِ اولاد، تجرد، مادہ پرستی، مذہب بیزاری، مسلم دشمنی وغیرہ) میں سے ہر ایک کا جائزہ لیا جائے اور بتایا جائے کہ مغربی تہذیب، انسانوں کو پتھر کے دور میں لے جانا چاہتی ہے۔ برقعہ یا نیم لباس، غیرت یا مخلوط محفلیں، حلال وحرام یا شباب وشراب، بنیاد پرستی یا روشن خیالی، جمہوریت یا شاہوں کی غلامی جیسے موضوعات پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں، تہذیب وثقافت کے میدان میں، خدمتِ خلق اور حب انسانیت کے میدان میں، تبلیغ دین اور تمدنی ارتقا کے میدان میں مسلمان جس طرح روشن مثالیں قائم کرتے رہے ہیں، ان کا جائزہ ۲۵ ابواب میں لیا گیا ہے۔ ان کے مطالعے سے نئی روح بیدار ہوتی ہے اور اسلام کا پرچم سربلند کرنے کا عزم بھی۔ اسلام اور مغرب کی تہذیبی کش مکش کے

موضوع پر اہم علمی کاوش اور مفید علمی اضافہ۔(محمد ایوب منیر)

قرآن پر عمل، سمیہ رمضان۔ مترجم: ظہیرالدین بھٹی۔ ناشر: منشورات، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۱۶۰۔ قیمت: ۷۵ روپے۔

قرآن پر عمل قرآنی آیات کے مطابق عمل اور ان کے معجزاتی اثرات کے بیان پر مشتمل ایک خوب صورت کتاب ہے۔ یہ کتاب محترمہ سمیہ رمضان کے تجربات پر مشتمل ان کے سلسلہ وار مضامین کا مجموعہ ہے۔ مصنفہ ایک عرب معلمہ ہیں۔ انھوں نے مدت سے درسِ قرآن کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے جس کے ذریعے بالخصوص خواتین کے ذہنوں میں تبدیلی لانے اور ان کی الجھنوں اور پریشانیوں کا علاج دریافت کرنے میں کوشاں ہیں۔ وہ ہر دفعہ ایک قرآنی آیت کا انتخاب کرتی ہیں اور پھر وہ اور ان کی ساتھی دوسری خواتین اس آیت کے مطابق عمل کرتی ہیں تو اپنے مسائل حل ہوتے دیکھتی ہیں۔ شرکا تجربے سے سیکھتی ہیں کہ قرآن کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے میں کتنے فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

ترجمہ رواں اور سلیس زبان میں کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں محض قرآن کی تبلیغ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا، اس پر عمل کرنے اور زندگی کے ہر معاملے میں اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ یہ کتاب خواتین کے ساتھ ساتھ مردوں کو بھی قرآن فہمی اور اس کے مطابق عمل کرنے اور زندگی گزارنے کا جذبہ و سلیقہ فراہم کرتی ہے۔ حال ہی میں اس کا اعلیٰ کاغذ پر خوب صورت اور دل کش نیا اڈیشن سامنے آیا ہے۔(سعید اکرم)

سیرت الامین صلی اللہ علیہ وسلم، محمد رفیق ڈوگر۔ ناشر: دید شنید پبلشرز، ۲۳-فضل منزل، بیڈن روڈ، لاہور۔ صفحات (جلد اول): ۱۷۴، (دوم): ۱۵۷، (سوم) ۱۸۴۔ قیمت فی جلد: ۱۵۰ روپے۔

تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب انفرادیت کے ساتھ ساتھ بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔ ہر عمر کے بچوں کے لیے لکھی گئی اس کتاب میں اسلوبِ بیان شستہ، رواں اور سادہ و عام فہم ہے۔ واقعاتی اور افسانوی انداز قاری کو کھینچ لیتا ہے اور وہ پڑھتا چلا جاتا ہے۔ تحریر دل نشین، مؤثر اور

اثرانگیز ہے۔ پہلی جلد نبی کریمؐ کے احوال، دین ابراہیمی کی تکمیل کے مشن کے لیے جدوجہد، دشمنانِ اسلام سے مقابلہ اور اہلِ مکہ کے مظالم پر مبنی ہے۔ دوسری جلد مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام، اسلامی معاشرے کی تشکیل، دشمنوں کی سازشوں اور آپؐ کی دفاعی، سیاسی اور سفارتی حکمت عملی کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد عرب میں اللہ کے دین کے مکمل غلبے اور نبی کریمؐ کے مشن کی تکمیل اور رفیق اعلیٰ سے ملاقات کی تفصیلات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس طرح مکمل سیرتِ رسولؐ سامنے آجاتی ہے۔

ہر باب کے آخر میں درسی کتاب کی طرح 'تعاون' کے عنوان سے مشکل الفاظ کے معنی دیے گئے ہیں اور ذہنی مشق اور سیرت کے اسباق کو ذہن نشین کرنے کے لیے 'اپنے شاباش کے نمبر لگائیں' عنوان کے تحت مختلف سوالات اور ان کے جواب دیے گئے ہیں۔ رنگین تصاویر اور نقشوں سے بھی کتاب کو مزین کیا گیا ہے۔

دینی مدارس اور اسلامی تربیت کرنے والے اسکول اسے نصاب میں شامل کرسکتے ہیں۔ والدین بچوں کو پڑھوا کر سوالات کرائیں تو ساری زندگی کے لیے سیرت کے واقعات ذہن پر نقش ہوجائیں گے۔(امجد عباسی)

تاج محل سے زیرو پوائنٹ، چودھری محمد ابراہیم۔ ناشر: بیت الحکمت، لاہور۔ ملنے کا پتا: کتاب سرائے، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۴۰۰۔ قیمت: ۲۲۰ روپے۔

زیرتبصرہ کتاب ایک صاحبِ بصیرت اور ملک وقوم کے لیے دردِ دل رکھنے والے زرعی سائنس دان چودھری محمد ابراہیم کے زورِقلم کا نتیجہ ہے جس میں انھوں نے بھارت میں اپنے مختصر قیام کے مشاہدات کو قلم بند کیا ہے۔ بقول دیباچہ نگار ''ایک ہفتے میں انھوں نے بھارت کی تاریخ وثقافت، تہذیب وتمدن، مذاہب وادیان، معاشرت ومعیشت، سیاست وحکمت اور آثاروشواہد کے کتنے ہفت خواں طے کیے، اس کا اندازہ سفرنامے کے تفصیلی مطالعے ہی سے ممکن ہے''۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر نے پیش لفظ میں سفرناموں کی پوری تاریخ خصوصاً ہندستان کے سفرناموں کو ایجاز واختصار مگر جامعیت سے پیش کیا ہے۔(عبداللہ شاہ ہاشمی)

تعارفِ کتب

☆ تلبیس ابلیس، علامہ ابن جوزیؒ، ترجمہ: مولانا ابومحمد عبدالحق۔ ناشر: مکتبہ اسلامیہ بالمقابل رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۵۷۴۔ قیمت (اعلیٰ اڈیشن) ۲۸۰ روپے۔[شیطان روزِ اوّل سے انسان کو گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ شیطان جس طرح بھی انسان کو دھوکا دیتا ہے، جس جس طرح کے پردوں میں آتا ہے، اس کا ممکنہ حد تک تفصیلی بیان علامہ ابن جوزی نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہرشخص دیکھ سکتا ہے کہ شیطان اس کے ساتھ کیا کچھ کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔ اس کا مقصد شیطان کے تلبیس (دھوکے) سے آگاہ کرنا ہے تاکہ لوگ گمراہی سے بچ سکیں۔]

☆ کتاب الوسیلہ، امام ابن تیمیہ، ترجمہ: ضیغم الانصاری۔ ناشر: اسلامی اکادمی، ۱۷-الفضل مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۴۰۰۔ قیمت: ۲۲۰ روپے۔[اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ کے ہر بندے کو اللہ سے راست رسائی حاصل ہے لیکن عموماً لوگ کسی وسیلے کی تلاش کرتے ہیں جس کی وجہ سے لاتعداد مشرکانہ افعال اور بدعات کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس مسئلے پر امام ابن تیمیہ کی جامع کتاب کا یہ سلیس اور عام فہم ترجمہ ہے۔ تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ زندگی میں کسی سے دعا کروانا تو ٹھیک ہے، لیکن مرنے کے بعد، یا قبر پر جاکر کسی کو وسیلہ بنانا جائز نہیں۔]

☆ الجامع الفرید شرح کتاب التوحید، عبداللہ بن جاراللہ، ترجمہ: حافظ محمود احمد۔ ناشر: حدیبیہ پبلی کیشنز، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۴۰۰۔ قیمت: ۱۶۰ روپے۔[عقیدۂ توحید کو دین کے نظام میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ یہ درست نہ ہو تو گمراہی کے بے شمار دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس موضوع پر الشیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی کتاب کو سوالاً جواباً پیش کیا گیا ہے۔ عقیدۂ توحید کے بارے میں تمام پہلوؤں سے آگاہی کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہے۔]

☆ توہین رسالتؐ کی شرعی سزا، مولانا محمد علی خاں باز۔ ناشر: مکتبہ قدوسیہ، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۲۷۰۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔[ان دنوں مغربی اخبارات میں کارٹونوں کی اشاعت کے بعد توہینِ رسالتؐ کا موضوع پر سب کی توجہ ہوگئی۔ یہ کتاب اس جرم کی سزا کے حوالے سے ایک مکمل بیان ہے جس میں صحابہ کرامؓ کے دور کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔]

☆ شہید عامر چیمہ، عابد تہامی۔ ناشر: تہامی گروپ پاکستان، ۱۶-اے، توحید سٹریٹ، آوٹ فال روڈ، لاہور۔ صفحات: ۲۱۹۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔[عامر چیمہ کی شہادت کے حوالے سے مرحلہ بہ مرحلہ تمام واقعات اور ان پر لکھے جانے والے اخبارات کے مضامین، سب کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ اس کی حیثیت ایک دستاویز کی ہے۔]

☆شہید وفا، وسیم شاہد اولکھ۔ ناشر: اذان سحر پبلی کیشنز، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۱۳۶۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔ [عامر چیمہ شہید کے حالاتِ زندگی، جنازے کی تفصیلات، منظوم تاثرات، تصاویر۔]

☆آپ کے خواب اور ان کی تعبیر، ابومحمد خالد بن علی العنبری، مترجم: ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن یوسف۔ ناشر: مکتبہ ابن تیمیہ، لاہور۔ ملنے کا پتا: اسلامی اکادمی، ۱۷- اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۱۹۰۔ قیمت: درج نہیں۔ [خوابوں کا دیکھنا، ان کی تعبیر معلوم کرنا اور بتانا ماہرین نفسیات کے لیے ایک دل چسپ موضوع ہے۔ کتاب وسنت میں اس کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اور تعبیر کے حوالے سے جو روایات ہیں ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔]

☆شاہراہ دعوتِ دین، مصطفیٰ مشہور۔ ناشر: مکتبہ المصباح، ۱-۱ے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور۔ صفحات: ۲۰۶۔ قیمت: ۶۵ روپے۔ [دورِ حاضر میں دعوتِ دین کی راہ پر چلنے والوں کو جو مسائل پیش آتے ہیں ان کے بارے میں عملی نقطۂ نظر سے بہت اچھی مفید بحث اور مؤثر رہنمائی ہے۔ اس راہ کے ہر راہی کو مصطفیٰ مشہور کی اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔]

☆تزکیہ نفس، خلیل الرحمٰن چشتی، محمد خان منہاس۔ ناشر: الفوز اکیڈمی، ۴/۱۱-ای، اسلام آباد۔ صفحات: ۲۳۲۔ قیمت: ۱۴۰ روپے۔ [تزکیہ نفس کے موضوع پر ایک گائیڈ بک نوعیت کی کتاب جس میں ۱۲ تدابیر آیات و احادیث کی روشنی میں نہایت اختصار اور جامعیت سے بیان کی گئی ہیں۔]

☆نصرتِ الٰہی کے مناظر، ابوبلال حافظ طاہر منصور۔ ناشر: جہاد میڈیا پبلی کیشنز، hotsoup@maktoob.com۔ صفحات: ۲۴۰۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔ [دورِ رسالت وصحابہ میں میدان جہاد میں نصرتِ الٰہی کے واقعات نہایت ایمان افروز ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں دورِ حاضر کے افغانستان، کشمیر، فلپائن اور دوسرے جہادوں کے ایسے واقعات جمع کیے گئے ہیں۔ ان سے یقین آتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدد کرنے پر ہر طرح قادر ہے جو اس کی راہ میں جانیں پیش کرتے ہیں۔]

☆یومِ خندق، پروفیسر شفیع ملک۔ ناشر: پاکستان ورکرز ٹریننگ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ، ایس ٹی ۲/۳، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی۔ صفحات: ۶۰۔ قیمت: ۵۰ روپے۔ [پاکستان میں مزدور تحریک کا ایک مطالبہ ہے کہ یکم مئی کے بجائے، جو سوشلسٹ پس منظر رکھتا ہے یومِ خندق کو عالمی پیمانے پر یومِ مزدور کے طور پر منایا جائے۔ مصنف نے اس تجویز کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی ہے۔]

☆زندگی کی کتاب، قانتہ رابعہ۔ ناشر: ادارہ مطبوعات سلیمانی، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۱۵۹۔ قیمت: ۷۵ روپے۔ [زندگی گزارتے ہوئے روزمرہ پیش آنے والے واقعات پر اخباری کالم کے انداز سے کسی مناسب بات کی تذکیر۔ یہ ایسے ہی ۶۷ ایک ایک دو صفحات کے مختصر مضامین کا مجموعہ ہے۔ مطالعے سے معاشرے کی تصویر بھی سامنے آجاتی ہے۔]

مدیر کے نام

خالد ندیم 'شیخوپورہ

'قرآن فہمی: فروغ کی جدوجہد' (اگست ۲۰۰۶ء) مفید معلوماتی ہے' تاہم اس میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ بعض تفاسیر اپنے اعلیٰ دینی و علمی مقام و مرتبے کے باوجود مناسب تعارف سے محروم رہیں۔ 'بہائیت، عقائد، تاریخ، سرگرمیاں' کے مطالعے سے اپنے اردگرد ارتداد کے مخفی عناصر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

عقل وزیر 'پشاور

'پاکستان کا روشن مستقبل اور عوامی تحریک' (جولائی ۲۰۰۶ء) پاکستانی عوام کے لیے مژدۂ جانفزا ہے۔ پاکستانی عوام تمام تر محرومیوں' بے انصافیوں اور مسائل کے باوجود پاکستان کے روشن مستقبل کے خواہاں ہیں۔ ہر پاکستانی کے دل میں آج پرویز مشرف کے خلاف بیزاری و نفرت کا لاوا پک رہا ہے۔ محترم امیر جماعت کا بروقت عوامی تحریک کا آغاز عوام کے دلوں کی آواز ہے۔

ڈاکٹر عبدالواسع کاکڑ 'پشین - شاہد نون 'اسلام آباد

'پاکستان کا روشن مستقبل اور عوامی تحریک' دورِ حاضر میں پاکستانی عوام بالخصوص اسلامی جماعتوں کے کارکنان کے لیے مایوسی کے اس دور میں آیات قرآنی اور فرموداتِ اقبال کی صورت میں امید کا سامان ہے۔ خدا کرے کہ یہ تحریک اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ٹھیرے۔

غلام عباس طاہر لیل 'جھنگ

'بہائیت: عقائد، تاریخ، سرگرمیاں' (اگست ۲۰۰۶ء) کے حوالے سے کچھ مزید معلومات:

بہائیت کی پیش رو بابیّت کے بانی علی محمد کو جب حکومتِ ایران نے اُس کے گمراہ کن عقائد کے پیشِ نظر گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا تو فوجیوں نے اُس کی لاش شہر کے باہر خندق میں پھینک دی جو رات کی تاریکی میں اس کے متبعین نے اٹھا کر ایلیسا نبی کے غار کے قریب اسرائیل میں واقع کوہ کرمل میں دفن کی جہاں اس کا عالیشان روضہ ہے۔ اسے اتفاق کہیے یا سازشوں کی کڑی کہ قادیانیوں کا تبلیغی مشن بھی اسی جگہ ہے۔

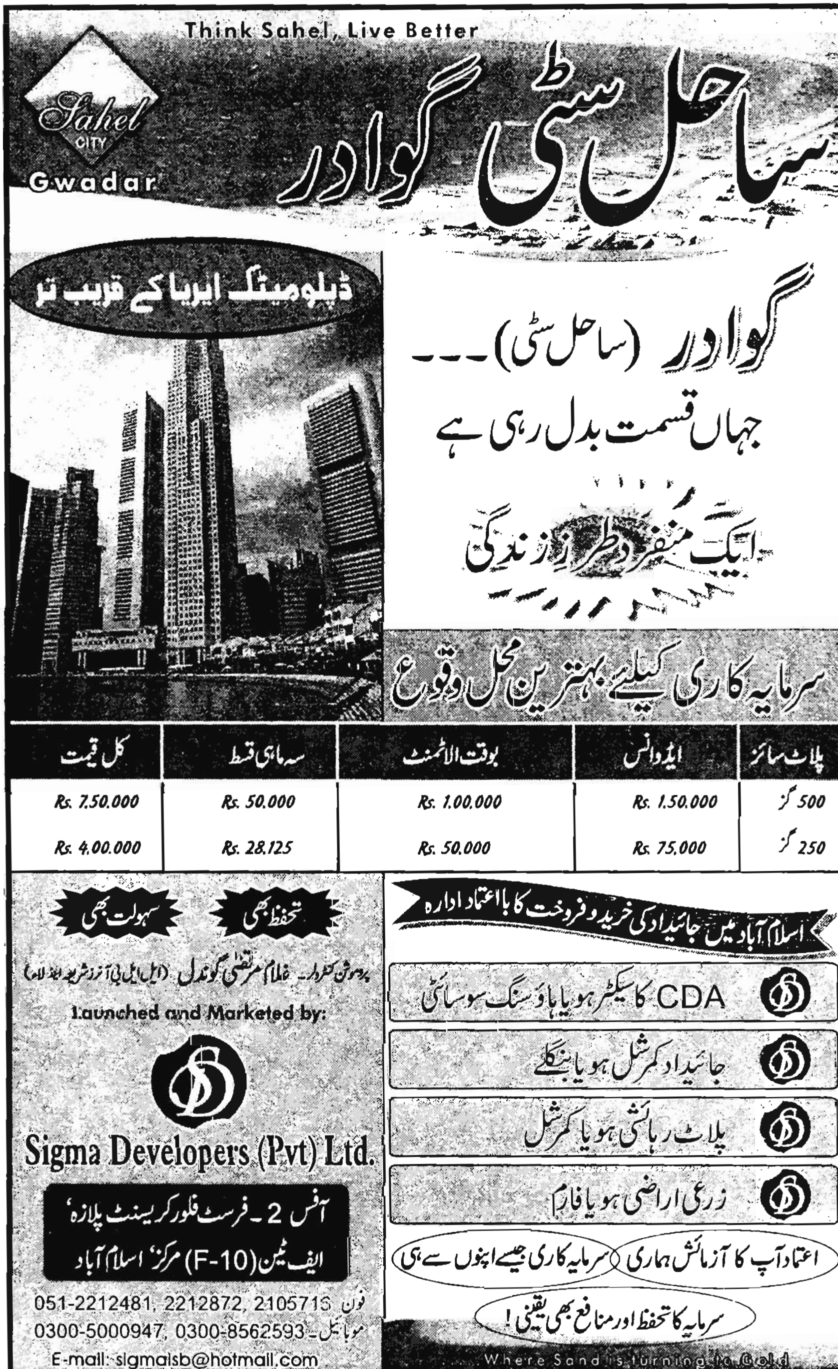
صبح ازل (مرزا یحییٰ نوری) بہاء اللہ کا ماں کے لحاظ سے سوتیلا بھائی تھا اور علی محمد باب نے الہامی کتب کی تکمیل و تدوین کا کام اس کے سپرد کر رکھا تھا۔ بہاء اللہ (حسین علی) کا تعلق مغل خاندان سے تھا۔ اِن کے والد عباس یحییٰ حکومتِ ایران کے وزیر اور اپنے دور کے صاحبِ حیثیت تھے۔ بہاء اللہ نے ترکی سے جلاوطنی کے بعد

اسرائیل کے شہر حیفہ میں اپنا مشن اور تبلیغی مرکز قائم کیا۔ امریکا میں واقعی اس فرقے کو بڑی پذیرائی ملی کیونکہ ان کے یہودیوں سے خاص مراسم تھے۔ بہاء اللہ کے نظریات کا اصل تدوینی کام اور تشریح و تفسیر اُن کے بیٹے عبدالبہا نے کی۔ بہائیت میں مردوں کی نسبت عورتوں کی تعلیم اور آزادی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ان کے ہاں سال میں ۱۹ مہینے رائج ہیں اور ہر مہینہ ۱۹ دن کا ہے۔ اِن کے ہاں عیدالفطر وغیرہ نام کی عیدوں کا رواج نہیں بلکہ اِن کی اپنی عیدیں ہیں۔

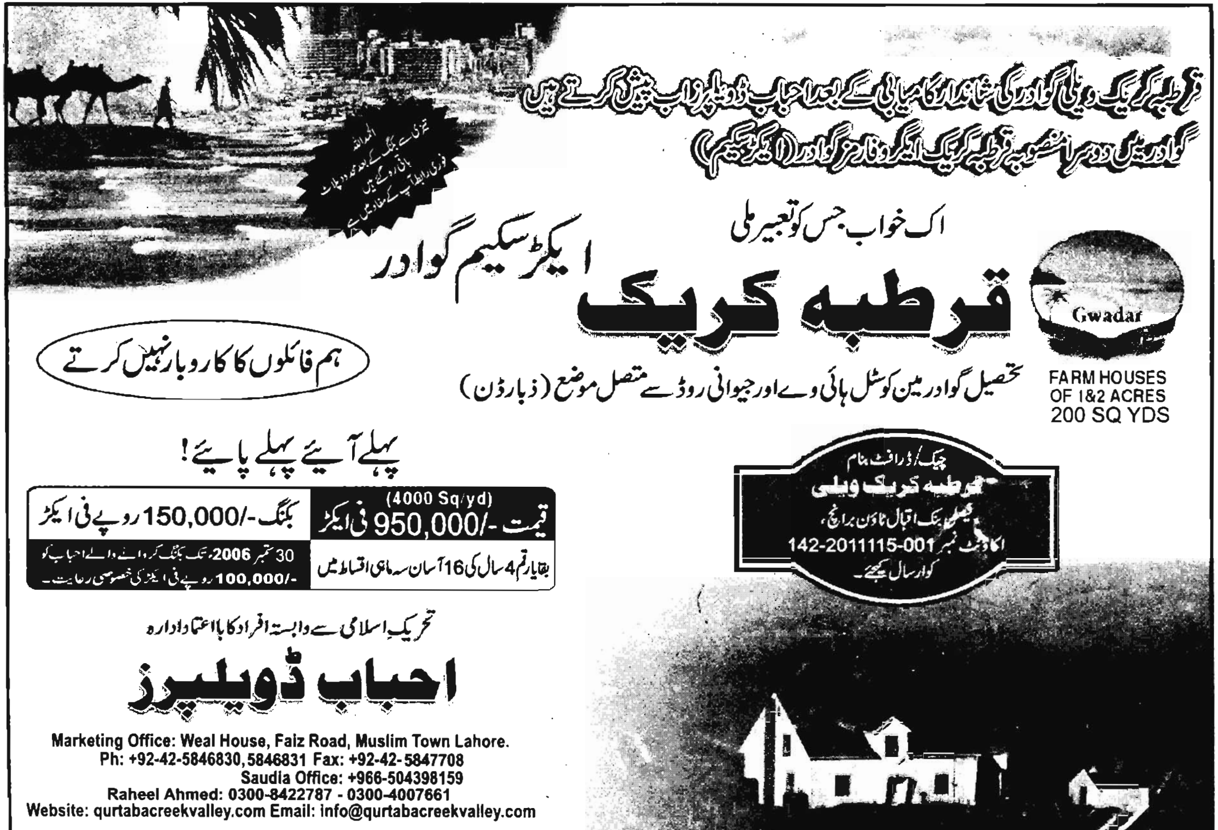
بہائی اپنی عبادت گاہ کے لیے مسجد کے بجائے مشرق الاذکار کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو عبادت گاہ میں جمع ہوتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ موت کے بعد جسم زندہ نہیں کیا جائے گا۔

نصیرالدین ہمایوں 'لاہور

آپ نے محترم ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی کے دروسِ قرآن کی آٹھ جلدوں پر تبصرہ (جولائی ۲۰۰۶ء) کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ان کے جو دروس نقل کیے گئے اور ایک نظر ڈال کر شائع کر دیے گئے''، اور تبصرہ کے آخر میں مزید توجہ دلائی ہے کہ ''اس کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کوئی ماہر مدیر خطیبانہ رنگ برقرار رکھتے ہوئے اس کی تدوین نو کرے، تو اس کے فائدے اور تاثیر میں اضافہ ہو''۔ میرے علم کے مطابق ڈاکٹر صاحب کا معمول ہے کہ اپنی تحریروں کی آپ باقاعدہ املا کراتے ہیں اور بعد میں ان کی نوک پلک سنوارتے ہیں۔ ان کا خطیبانہ انداز ان کے خطابات کے کیسٹوں میں یقیناً نمایاں ہوتا ہے اور وہ بھی اپنی ایک علمی شان رکھتا ہے' تاہم ان کی تصنیفات' بلاشبہہ اپنے ربط و تسلسل اور تصنیفی ترتیب کے حوالے سے ارفع و اکمل حیثیت کی حامل ہیں۔



Think Sahel, Live Better
Sahel CITY
Gwadar
ساحل سٹی گوادر
ڈپلومیٹک ایریا کے قریب تر
گوادر (ساحل سٹی)۔۔۔
جہاں قسمت بدل رہی ہے
ایک منفرد طرزِ زندگی
سرمایہ کاری کیلئے بہترین محلِ وقوع
پلاٹ سائز
ایڈوانس
بوقت الاٹمنٹ
سہ ماہی قسط
کل قیمت
500 گز
Rs. 1,50,000
Rs. 1,00,000
Rs. 50,000
Rs. 7,50,000
250 گز
Rs. 75,000
Rs. 50,000
Rs. 28,125
Rs. 4,00,000
تحفظ بھی
سہولت بھی
پروموشن کنٹرولر۔ غلام مرتضیٰ گوندل (ایل ایل بی آنرز شریعہ اینڈ لاء)
Launched and Marketed by:
Sigma Developers (Pvt) Ltd.
آفس 2۔ فرسٹ فلور کریسنٹ پلازہ،
ایف ٹین (F-10) مرکز، اسلام آباد
فون 051-2212481, 2212872, 2105715
موبائل۔ 0300-5000947, 0300-8562593
E-mail: sigmaisb@hotmail.com
اسلام آباد میں جائیداد کی خرید و فروخت کا بااعتماد ادارہ
CDA کا سیکٹر ہو یا ہاؤسنگ سوسائٹی
جائیداد کمرشل ہو یا بنگلے
پلاٹ رہائشی ہو یا کمرشل
زرعی اراضی ہو یا فارم
اعتماد آپ کا آزمائش ہماری
سرمایہ کاری جیسے اپنوں سے ہی
سرمایہ کا تحفظ اور منافع بھی یقینی!
Where Sand is turning to Gold
Flash Adv. 051-2106540


قرطبہ کریک ویلی گوادر کی شاندار کامیابی کے بعد احباب ڈویلپرز اب پیش کرتے ہیں
گوادر میں دوسرا منصوبہ قرطبہ کریک ایگرو فارمز گوادر (ایکڑ سکیم)
الحمدللہ
تیزی سے بکنگ کے بعد محدود پلاٹ
باقی رہ گئے ہیں
فوری رابطہ آپ کے مفاد میں ہے
اک خواب جس کو تعبیر ملی
قرطبہ کریک
ایکڑ سکیم گوادر
تحصیل گوادر مین کوسٹل ہائی وے اور جیوانی روڈ سے متصل موضع (ذبارڈن)
Gwadar
FARM HOUSES
OF 1&2 ACRES
200 SQ YDS
ہم فائلوں کا کاروبار نہیں کرتے
پہلے آیئے پہلے پایئے!
(4000 Sq/yd)
قیمت -/950,000 فی ایکڑ
بکنگ -/150,000 روپے فی ایکڑ
بقایا رقم 4 سال کی 16 آسان سہ ماہی اقساط میں
30 ستمبر 2006ء تک بکنگ کروانے والے احباب کو -/100,000 روپے فی ایکڑ کی خصوصی رعایت۔
چیک/ڈرافٹ بنام
قرطبہ کریک ویلی
فیصل بنک اقبال ٹاؤن برانچ،
اکاؤنٹ نمبر 142-2011115-001
کو ارسال کیجئے۔
تحریکِ اسلامی سے وابستہ افراد کا با اعتماد ادارہ
احباب ڈویلپرز
Marketing Office: Weal House, Faiz Road, Muslim Town Lahore.
Ph: +92-42-5846830, 5846831 Fax: +92-42-5847708
Saudia Office: +966-504398159
Raheel Ahmed: 0300-8422787 - 0300-4007661
Website: qurtabacreekvalley.com Email: info@qurtabacreekvalley.com

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور سے شائع کیا

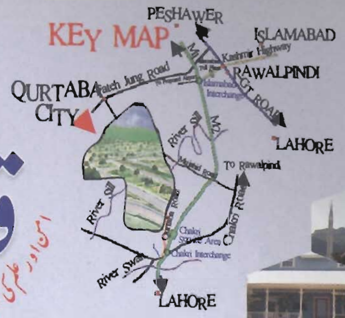


G.F.C. FANS
کی کیا بات!
Continuous Winner of FPCCI EXPORT TROPHY 1997-2005
کیونکہ ... جی ایف سی نے جیتا
7times Winner
Export Quality Award
5 YEARS WARRANTY 1 YEARS PARTS
انسٹالیشن کٹ فری
G.F.C.
اب پیش ہے
G.F.C. نیا
Split Air Conditioner
اور گرمی کو کرو ٹھنڈا ٹھنڈا
ENERGY SAVER
International Quality Certified
PSQCA
SAUDI ARABIAN STND. Organization
PCSIR
کوالٹی جو سب پہ چھا جائے
جی ہاں، مسلسل 7 ویں بار ایکسپورٹ ٹرافی ایوارڈ نے ثابت کیا کہ G.F.C فین پاکستان کا واحد پنکھا ہے جو کوالٹی میں سب سے اچھا ہے اور اس وجہ سے G.F.C پاکستان میں سب سے زیادہ فروخت ہوتا ہے اور اب کوالٹی کی اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے جی۔ایف۔سی پیش کرتا ہے بے شمار خوبیوں کے ساتھ G.F.C سپلٹ A.C انشاءاللہ ہم اسی طرح اپنی کوالٹی مضبوط رکھیں گے تا کہ ہمارا اور آپ کا رشتہ بھی مضبوط رہے۔
General Fan Company (Pvt). Ltd.
G.T Road, Gujrat, Pakistan. Tel; (053)3520301-3, Fax: (053) 3521427.
Website: www.gfcfan.com, Email: gfc@gfcfan.com
یو۔ایل اور سی۔ای سرٹیفیکیٹ حاصل کرنے والی پہلی پاکستانی پنکھا ساز کمپنی
BLAZE

Madina Tul Ilm

قرطبہ سٹی

امن اور علم کی بستی اکیسویں صدی کا محورِ تعلیم و تحقیق





مدینۃ العلم نے ملکی اور بین الاقوامی، مذہبی اور تہذیبی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے ایک مثالی اسلامی شہر، جو کہ اکیسویں صدی کے لیے تعلیم و تحقیق کا محور ہوگا، بنانے اور آباد کرنے کا عظیم منصوبہ قرطبہ ترتیب دیا ہے۔

مدینۃ العلم کا مقصد اور تعارف

مدینۃ العلم نے محسوس کیا کہ تیز رفتار ترقی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی انسانی معاشروں اور مذاہب کے درمیان جو وسیع خلاء پیدا کر رہی ہے اسلام کا فراہم کردہ معاشرتی ماڈل اس کو پُر کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ چنانچہ مدینۃ العلم نے یہ بیڑا اُٹھانے کا فیصلہ کیا کہ ایک ایسا رہائشی منصوبہ تعمیر کیا جائے جو اعلیٰ تعلیم و تحقیق کا محور ہو اور اسلامی معاشرے کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اس منصوبے کا نام "قرطبہ سٹی" تجویز کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تشکیل دیا گیا بورڈ آف ڈائریکٹرز ملک کے معروف کاروباری افراد جو کہ بین الاقوامی سطح پر معاشرے میں اہم مقام رکھتے ہیں اور مدینۃ العلم کے مقاصد کے حصول کیلئے سرگرم عمل ہیں، پر مشتمل ہے۔ اس منصوبے کی کامیابی کا راز اس کا ہر لحاظ سے خود مختار ہونے میں ہے تا کہ معاشرے کے تمام پہلو مدینۃ العلم کے ماڈل کے مطابق پروان چڑھیں اور اس کی خود مختاری کی کُنجی اس منصوبے کا حجم ہے۔ منصوبے کی وسعت اس کے معاشی اور معاشرتی پہلوؤں میں اس کی خود مختاری کی ضمانت ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے وسیع اراضی کی خرید جاری ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام کی عملی تصویر فراہم کرنے کے لیے ایک رہائشی منصوبے کا قیام دُنیائے اسلام اور ملک کا منفرد منصوبہ ہونے کے ساتھ ایک بڑا چیلنج بھی ہے۔

محلِ وقوع:

اسلام آباد جس کا شمار دُنیا کے چند خوبصورت اور صاف ستھرے شہروں میں ہوتا ہے کی فضاؤں کو مجوزہ شہر قرطبہ کے لیے منتخب کرتے ہوئے اسلام آباد سے تقریباً 50 کلومیٹر کے فاصلہ پر پاکستان موٹروے، چکری انٹرچینج سے ملحقہ خوبصورت پہاڑوں کے دامن میں، کھلے اور پُر فضا ماحول میں وسیع و عریض اراضی خریدتے ہوئے عظیم منصوبے قرطبہ کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے۔

مجوزہ سہولیات:

انشاءاللہ قرطبہ اُن تمام جدید رہائشی سہولیات سے مزین ہوگا جو تکنیکی ماہرین اب تک مہیا کر سکے ہیں۔ مثلاً

▲ آبادکاری کی صد سالہ منصوبہ بندی ▲ بین السکٹر شاہراہ، کشادہ سڑکیں، فٹ پاتھ ▲ بارشی پانی کے نکاس کا نظام ▲ پینے کے میٹھے پانی کی فراہمی کا نظام ▲ گندے پانی کو ٹھکانے لگانے کا انتظام ▲ بجلی کی فراہمی کا زمین دوز نظام ▲ ٹیلیفون کا نظام ▲ قدرتی گیس کی فراہمی کا نظام ▲ خریداری مراکز کی عمارات ▲ معاشرتی مقاصد کے لیے سوک سنٹر، خواتین و حضرات کے لیے، سکول، کالجز اور پرائمری سکول، ہسپتال، سکینہ مساجد کی عمارات ▲ پولیس اسٹیشن، پوسٹ آفس، فائر بریگیڈ کی عمارات ▲ قرطبہ کے اندر بس سٹاپ اور دوسرے شہروں کو آنے جانے والے راستوں پر بس اسٹاپ ▲ پیٹرول پمپ ▲ شجرکاری اور پارک بنانے اور دیکھ بھال کا نظام ▲ حفاظتی دیوار اور سکیورٹی کا نظام ▲ کوڑا کرکٹ ٹھکانے لگانے کا نظام ▲ سٹریٹ لائیٹ کا نظام

▲ مدینۃ العلم کے دفتر اور سہولیات کو چلانے اور دیکھ بھال کا دفتر اور ورکشاپ کی عمارات

رہائشی سہولیات کی دیکھ بھال کا نظام:

قرطبہ میں فراہم کردہ تمام سہولیات کا انتظام و انصرام مدینۃ العلم کرے گی۔ جس کے لیے خصوصی ضابطہ تشکیل دیا جائے گا اور تمام رہائشی اُس کے پابند ہوں گے۔

خصوصی سہولیات:

قرطبہ کے لیے اندرونی ٹرانسپورٹ کا نظام ▲ قرطبہ سے راولپنڈی چکری انٹرچینج اسلام آباد تک ٹرانسپورٹ کا نظام ▲ گھروں کی تعمیر کے لیے آرکیٹیکٹ کی خدمات اور ہر پلاٹ سائز کے لیے 50 نمونہ کے ڈیزائن کی فراہمی ▲ بلوں کی ادائیگی اور شکایات کے ازالے کے لیے ون ونڈو آپریشن ▲ قرطبہ کو تعمیر اور آبادی کے مرحلہ کے بعد بھی خوبصورت رکھنے کے لیے خصوصی تعمیراتی قوانین

امتیازی خصوصیات:

▲ بین الاقوامی یونیورسٹی: بین الاقوامی یونیورسٹی اور تعلیمی مرکز کا قیام و انصرام

▲ جامع مسجد قرطبہ: وسیع و عریض میدان سے ملحقہ جامع مسجد اور دینی و تہذیبی تحقیقی مرکز کا قیام و انصرام

▲ تمام یونیورسٹی اور دینی مرکز سے کیبل کے ذریعہ منسلک

▲ خواتین کے لیے خصوصی تجارتی مراکز کا قیام

زوننگ پلان و ٹاؤن پلاننگ اور میونسپل انتظامیہ سے منظوری:

منصوبے کے بنیادی خاکے کے مطابق ملک کے مشہور اور مایہ ناز انجینئرنگ کنسلٹنٹس نیسپاک (M/s NESPAK) نے ایک جامع زوننگ پلان تیار کر لیا ہے۔ فیز 1 کی زمین کی خریداری مکمل ہوتے ہی اس فیز کی ٹاؤن پلاننگ کر دی گئی ہے۔ اور یہ ٹاؤن پلاننگ متعلقہ ایجنسی کے پاس منظوری کے لئے جمع کروا دی گئی ہے۔

پلاٹ بُکنگ:

ٹاؤن پلاننگ کی منظوری کے ساتھ ہی مزید پلاٹ بُکنگ کے لئے پیش کر دیے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی الاٹمنٹ کا طریقہ کار اور نئی قیمتوں کا تعین بھی کر دیا جائے گا۔

موجودہ پلاٹ ہولڈرز متوجہ ہوں:

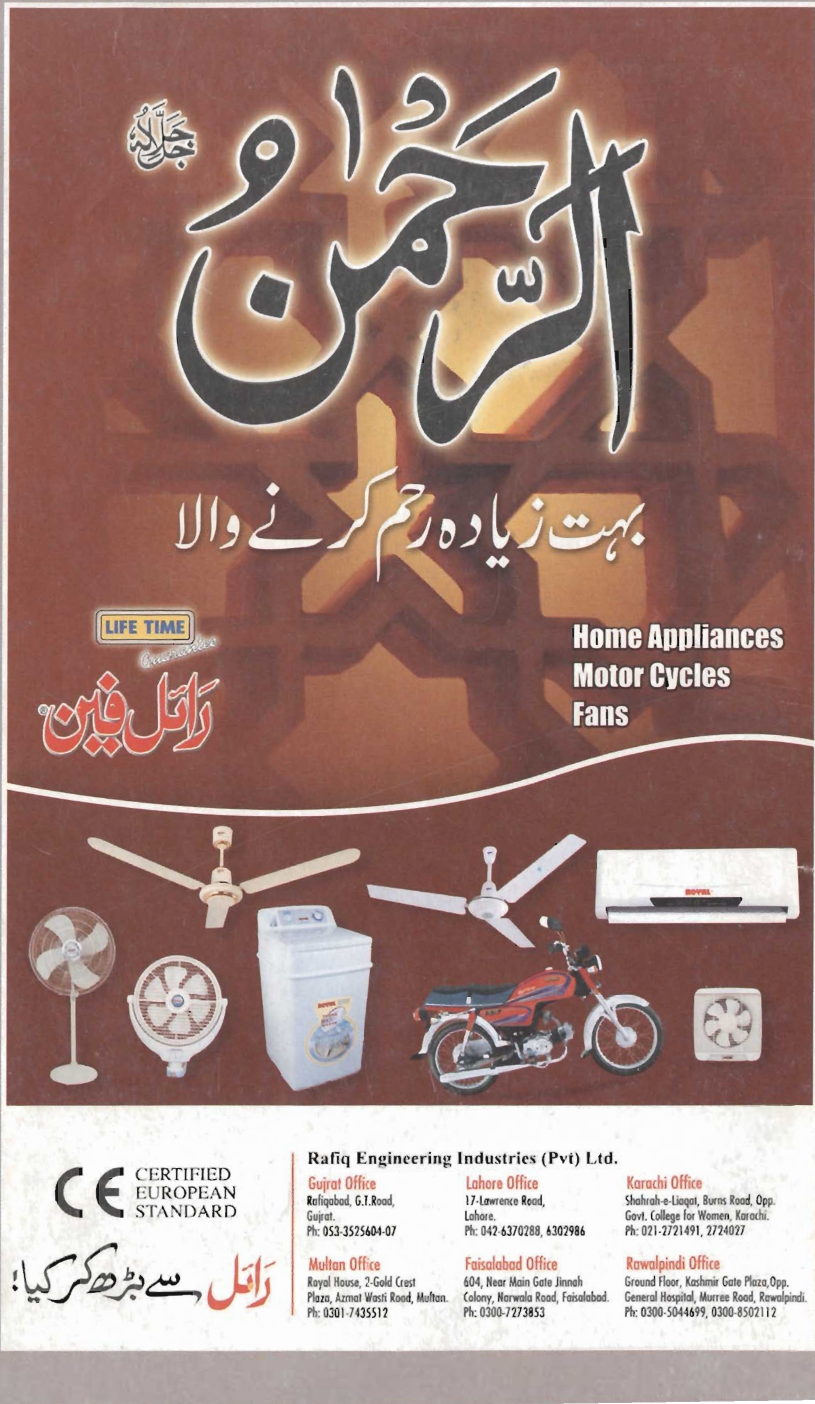
▲ قرطبہ سٹی کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنا ڈاک کا پتہ درست کروائیں تا کہ ڈاک کی ترسیل یقینی بنائی جا سکے۔ ایڈریس تبدیل کرنے کے لئے فارم دفتر سے حاصل کریں۔ ▲ اقساط پر بُکنگ کروانے والے حضرات فوری طور پر اپنے بقیہ جات اقساط کے جدول کے مطابق ادا کر دیں۔ ▲ بقیہ جات جاننے کے لئے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔

خواتین و حضرات اپنی رائے اور تجاویز سے مدینۃ العلم کے پتہ پر یا email کے ذریعہ آگاہ کریں۔

مدينة العلم

فلیٹ نمبر 4، فسٹ فلور، خیبر پلازہ فضل حق روڈ بلیو ایریا اسلام آباد فون: 92-51-2206380 فیکس: 92-51-2270411
Email: Info@qurtabacity.com

Rev. 3.0



الرحمٰن
جل جلالہ
بہت زیادہ رحم کرنے والا
LIFE TIME
Guarantee
رائل فین
Home Appliances
Motor Cycles
Fans
CE CERTIFIED EUROPEAN STANDARD
رائل سے بڑھ کر کیا!
Rafiq Engineering Industries (Pvt) Ltd.
Gujrat Office
Rafiqabad, G.T.Road, Gujrat.
Ph: 053-3525604-07
Lahore Office
17-Lawrence Road, Lahore.
Ph: 042-6370288, 6302986
Karachi Office
Shahrah-e-Liaqat, Burns Road, Opp. Govt. College for Women, Karachi.
Ph: 021-2721491, 2724027
Multan Office
Royal House, 2-Gold Crest Plaza, Azmat Wasti Road, Multan.
Ph: 0301-7435512
Faisalabad Office
604, Near Main Gate Jinnah Colony, Narwala Road, Faisalabad.
Ph: 0300-7273853
Rawalpindi Office
Ground Floor, Kashmir Gate Plaza, Opp. General Hospital, Murree Road, Rawalpindi.
Ph: 0300-5044699, 0300-8502112